لل دئد

ویدراہی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

2.12.17

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل دئد

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

آدان پردان سیریز

للہ دئد

ویدراہی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

آدان پردان سیریز

للّ دئد

ویدراہی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ISBN 978-81-237-5818-3

پہلا ایڈیشن: 2010 (ساکا 1932)

© نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

Laldayad (Urdu)

قیمت: 60.00

ناشر: ڈائریکٹر، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نہرو بھون 5، انسٹیٹیوشنل ایریا، فیس-II

وسنت کنج، نئی دہلی-110070

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پیش لفظ

کشمیری زبان میں سب سے پہلے لَل دَید نے شعر کہنا شروع کیا۔ اُس کی شاعری میں جو گہرائی اور بلندی ہے وہاں تک پہنچنے کے لئے آج بھی کشمیری کے بڑے بڑے شاعر ترستے ہیں۔ اُس عروج کی طرف لپکتے تو سب ہیں مگر اُسے چھو لینے کا خواب ابھی تک کسی کا پورا نہیں ہوا۔

اِس خواب کی تعبیر کے لئے صرف فنی چابکدستی، صرف فکر کی گہرائی اور اونچائی ہی نہیں چاہئے بلکہ دل کی وہ سچی تڑپ بھی ضروری ہے جو عام آدمی کو اپنی تاثیر میں ڈبو دیتی ہے اور اُسے اپنا بنا لیتی ہے۔ تقریباً سات سو برس پہلے لَل عارفہ اور اُس کی شاعری کا جنم ہوا تھا لیکن وہ آج بھی کشمیر کے لوگوں کے دِلوں میں یوں بسی ہے جیسے شہد میں مٹھاس۔ لَل کے ''واکھ'' کشمیری زندگی اور تہذیب وتمدن کی پہچان ہیں۔ آج بھی لَل کی مقبولیت تک نہ حبہ خاتون نہ ارنیہ مال نہ رسول میر نہ مہجور نہ ہی کوئی اور شاعر پہنچ سکا۔ اِسے ایک معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

لَل کے ''واکھ'' پڑھ کر محسوس ہوتا ہے وہ ایک جنونی جوگن تھی۔ اِس دنیا میں رہ کر وہ وہاں پہنچی جہاں تک دنیا نہیں پہنچتی۔ جہاں سارے مذہب اور عقیدے پیچھے چھوٹ جاتے ہیں جس ''شِو'' کی تلاش میں وہ در بدر ہوئی آخر کار وہ بھی رُوپوش ہو گیا اور وہ خود بھی تحلیل ہو گئی ایک خلاء میں، شُونیہ میں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اُس کی شاعری ہم تک پہنچی اور اُسے پڑھ کر ہم یہ جان پائے کہ اِنسانی وجود کو شاعری کیا کیا معنویت عطا کر سکتی ہے۔

اُس جنونی جوگن کو اپنے جسم اور اپنے ملبوس کا دھیان نہیں تھا، لیکن حیرت کی بات ہے کہ اُس نے جو ''واکھ'' خلق کئے اُن میں ایک خاص بحر بھی ہے، لَے اور تال بھی اور قافیہ ردیف بھی۔ شاعری کے سبھی صنائع بدائع وہاں موجود ہیں۔ اِس تفاوت کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ ہے کہ لَل کمالِ علم و دانش کو پہنچی ہوئی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

تھی سنسکرت زبان میں جو اختصارِ الفاظ اور ارتکازِ معانی ہے اُسے اُس کا مکمل ریاض تھا۔ جب روح کا کرب وجد سرور کی لہر بن کر ''واکھ'' کی صورت میں ڈھلنے لگتا تو فن وشعر کے تقاضے اپنے آپ پورے ہو جاتے۔ اُس نے واسُو گپت، ابھی نو گپت، کشے میندر، اور اُتپل دیو جیسے کشمیر کے عظیم سنسکرت شاعروں اور مفکروں کی کتابوں کا بھرپور مطالعہ کیا ہوا تھا۔ لیکن اپنی شاعری میں اُس نے اُن کی تقلید نہیں کی۔ اپنی شاعری کو اُس نے آشوبِ ذات میں شرابور کر کے من کو ہلکا کیا تا کہ سانس لے سکے۔

سنسکرت جیسی آسودہ حال زبان کو چھوڑ کر کشمیری جیسی نو پید زبان میں شاعری کرنے کا اُس کا فیصلہ ہمیں بتاتا ہے کہ اپنے اظہارِ ذات کے لئے ہی اُس نے شاعری کا جوگ سادھا۔ ایسی شاعری نجی زبان میں ہی کی جاسکتی ہے۔ کشمیری زبان کی یہ طالع مندی ہے کہ لل کے ہونٹوں سے ''واکھ'' طلوع ہوئے اور کشمیری شاعری نے اپنے آغاز میں ہی اپنی انتہا کو پالیا۔

لل دیدؔ کی شاعری پر ویدانت کا گہرا اثر ہے۔ اُس نے خود ہی ایک ''واکھ'' میں کہا ہے کہ وہ بار بار گیتا پڑھتی ہے۔ اُس کے کچھ واکھوں پر بدھ مت اور تصوّف کا اثر بھی دکھائی دیتا ہے لیکن سب سے زیادہ اثر کشمیر کے شیومت کا ہے۔ ویدانت اور شیومت کا اندرونی تعلق اور دونوں کے بیچ کا جو باریک فرق ہے وہ بھی اُس کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

پروفیسر جیالال کول اور جناب نند لال طالب کشمیری نے لل دیدؔ کی شاعری کا عمیق مطالعہ اور تحقیق کرنے کے بعد اُردو میں اُس کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔ لل کی شاعری کے بارے میں اُن کے مدبرانہ مباحث انتہائی معتبر اور نتیجہ خیز ہیں۔ اُس ترجمہ کی بنیاد پر ڈوگری کے مشہور شاعر وید پال دیپ نے ڈوگری میں لل کے واکھوں کا اچھا ترجمہ کیا ہے لیکن اپنی طرف سے اُنہوں نے کچھ نہیں کہا۔ شاید عرفان وآگہی میں اُن کی دلچسپی نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا یہ ناول لکھنے سے پہلے لل اور اُس کی شاعری سے متعلق دست یاب مکمل مواد کھنگال ڈالوں۔ اُردو رسالہ ''شیرازہ'' نے لل کے بارے میں جو دو خاص نمبر شائع کئے میرے لئے وہ بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ اُن میں مطبوعہ جناب محمد عارف بیگ کے مضمون نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اُس میں اُنہوں نے فرمایا ہے کہ لل کی زندگی اور اُس کی شاعری کو اس دنیا کے حقیر اور ہلکے ترازوؤں میں نہیں تولا جاسکتا۔ وہ ان سے اوپر تھی۔ وہ وہاں پہنچی تھی جہاں کامل اور پاگل میں زیادہ فرق نہیں رہتا۔ محمد یوسف ٹینگ نے لل کی شاعری کی تھاہ تک پہنچنے کی قابلِ ستائش کوشش کی ہے۔ اُن کا فرمانا ہے کہ لل کے واکھ جس

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

یگ کی کوکھ سے جنمے اُس یگ میں کشمیر میں پرانی تہذیبی بساط اُلٹ رہی تھی اور نئی بساط قدم جما رہی تھی۔ وہ ایک ایسے جدل کا زمانہ تھا جو خیالات، نظریات اور اقدار کے آئینہ خانوں پر سنگ باری کر رہا تھا۔ وہ دور جس آشوب میں سے گذر رہا تھا اُس کا عکس لل کی شاعری میں اُس کی روح کا کرب بن کر اُبھرا ہے۔ رحمان راہی اور شفیع شوق نے لل کی شاعری کے فنی پہلوؤں پر عالمانہ غور و فکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ جن دانش ور مصنفین اور مفکروں سے میں نے استفادہ کیا ہے اُن میں بل جی ناتھ پنڈت، پروفیسر بی۔ ڈی شاستری، موتی لال ساقی، موتی لال کیموں، برج پریمی، رتن لال شانت، رُسل پونپور، ارجن دیو مجبور، کانشی ناتھ در، بملا رینہ کا نام لینا چاہوں گا، میں ان سب کا قرضدار ہوں۔

لل کی شاعری میں جذباتی کشمکش اور تفکر کا حیرت انگیز امتزاج ہے۔ اُس میں اندرون کا گہرا در داور زندگی اور ماورائے زندگی کا عمیق فلسفہ ہے۔ ''شِو'' کے تئیں والہانہ سپردگی نے اُسے جو اضطراب دیا اُس کی شِدت سے وہ مجذوبہ ہوگئی اُس کی دیوانگی کو سہارا دیا اُسکے گہرے تفکر نے، دلائل نے، میر تقی میر کا ایک شعر ہے۔

ہم مست ہو بھی دیکھا کچھ بھی مزا نہیں ہے
ہشیاری کے برابر کوئی نشہ نہیں ہے

لل دید اپنی شاعری میں اپنے ''شِو'' کے لئے ہوشیار، بیدار اور ضِدّی ہے۔ اُسے ''شِو'' کا نشہ ہے۔ اُس کی شاعری کی روح وہی نشہ ہے۔ ''شِو'' کے تئیں اُس کی آشفتہ سری ہندی ادب میں میرابائی کے دیوانے پن کے مانند ہے۔ میرابائی اُس کرشن کے لئے پاگل ہے جس کا اِس زمانے میں کوئی جسمانی وجود نہیں۔ لیکن وہ اُسے اپنا خاوند سمجھتی ہے۔ اُس کے لئے سیج بچھاتی ہے اور اُسے اپنا آپ سونپتی ہے۔ یہ سب اُس نے اپنے گیتوں میں لکھا ہے۔ لل بھی اپنے ایک واکھ میں اپنے محبوب ''شِو'' کو ''میں لل ہوں''، ''میں لل ہوں'' کہہ کر جگاتی ہے اور اُس سے واصِل ہوتی ہے اور خود کو پاکیزہ کرتی ہے۔ یہ دونوں شاعرات جہاں پہنچی تھیں وہاں شاعری کرنا اور سانس لینا ایک برابر ہے۔ شعر یوں نکلتے ہیں جیسے چولھے پر رکھی چاولوں کی دیگچی سے پانی اُبل کر باہر آ رہا ہو۔ اندر جو اذیّت ہے جو انتشار ہے اُس سے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ اُسے برداشت کرتے ہوئے ہی سانس لینا پڑتا ہے۔ سانس آری کی طرح لخت لخت کرتا رہتا ہے اور جو چیخیں نکلتی ہیں اُنہیں اشعار کہا جاتا ہے۔ پنجابی کے عظیم صوفی شاعر بُلھے شاہ نے کہا ہے جن کی ہڈیوں میں عشق

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

رچ بس جاتا ہے وہ جیتے جی مرجاتے ہیں۔لل دیدؔ بھی کہتی ہے جب اُس نے ''شِو'' اور ''شکتی'' کا سنگم دیکھا تو وہ امرت کی جھیل میں ڈوب گئی ۔اور جیتے جی مرگئی۔کیا امرت کی جھیل میں ڈوب کر بھی کوئی مرتا ہے؟ یہاں لل کی شاعری اظہارِ ذات کے عروج پر ہے۔

اِس ناول میں جتنے واقعات ہیں میں نے بیشتر ''واکھوں'' میں سے تلاش کر کے اُٹھائے ہیں اور تخیل سے اُنہیں وُسعت دی ہے ۔کچھ واقعات کو ضرب المثالوں سے منتخب کیا ہے۔کہیں نہ کہیں ہر واقعہ کی کوئی نہ کوئی علامت ضرور ہے ۔بہت ہی کم مواد ایسا ہے جو کہانی کو آگے بڑھانے کیلئے من سے گڑھا گیا ہو۔کہانی کو آگے بڑھاتے وقت لل دیدؔ کا مکمل کردار ہمیشہ میرے سامنے رہا ہے۔اس حقیقت کو ایسے بھی کہا جاسکتا ہے کہ واکھوں کی بنیاد پر لل کے کردار نے اِن واقعات کو خلق کرنے کے لئے مجھے ترغیب دی اور اِن واقعات نے چھینی اور ہتھوڑے کی طرح لل کے کردار کا پیکر تراشا۔اس سارے عمل پر تواریخ کے پس منظر نے اپنی حمائت کی مُہر ثبت کی ہے۔اگر یہ تائید نہ ملتی تو سچائی کا چہرہ اتنا روشن نہ ہوتا۔

یہ ناول لکھتے ہوئے میں اُن مقامات سے گذرا، جہاں سے گذرتے ہوئے ایک عام ماں باپ کی بیٹی، ایک عام ساس سُسر کی بہو اور ایک عام خاوند کی بیوی اُس لامقام تک پہنچی جہاں کچھ نہیں سوائے ''شُونیہ'' کے۔وہاں پہنچنے کے عمل کا بیان کرتے ہوئے کیا بیان کرنے والے کو بھی اُس عمل سے گذرنا پڑتا ہے۔کیا وہ بھی اُس ''شونیہ'' تک پہنچ جاتا ہے؟ یہ بہت مشکل سوال ہے۔یہ تو صرف محُسوسات کی بات ہے۔کوئی پوچھ سکتا ہے کیا آگ کا بیان کرتے ہوئے جلنا ضروری ہے؟ سبھی مصنفین کا اپنا اپنا تجربہ ہے۔میرے من میں اِتنا لالچ ضرور تھا--- اور میری آرزو بھی تھی کہ میں اُس عمل اُس طریقت میں سے گُزروں جس میں سے لل دیدؔ گذری تھی۔لیکن میں اُس میں کتنا ڈوب سکا، اس تعلق میں کچھ کہنا میرے لئے ممکن نہیں۔یہ تو ایک ادنا کوشش تھی اپنی آرزو پورا کرنے کی۔ہاں بیچ بیچ میں کبھی کبھی وجدانی کیفیت کے چند ایسے لمحات ضرور آئے جن کے بارے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔میری محنت کا صلہ شاید وہی چند لمحات ہیں۔

ویدراہی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سِدھ مول جب جنگل کے اندر پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا پتّوں کے سبھی درخت بہت مُفلِس لگ رہے تھے۔ اُن کی سُوکھی ہوئی شاخیں دھُوپ میں اور بھی کالی دکھائی دے رہی تھیں۔ زمین پر پڑ رہی اُن کی پرچھائیاں جنگل کو اور بھی ڈراؤنا بنا رہی تھیں۔ تھکان کی وجہ سے وہ سستانا چاہتے تھے لیکن بیٹھنے کے لئے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ مٹی گیلی تھی اور درختوں کے پتّے اُس نمی میں سڑ گل گئے تھے۔

سِدھ مول چلتے رہے۔

جنگل کے باہر پہنچے، تو تھوڑی دوری پر دریا کا موڑ دکھائی دیا۔ وہ جانتے تھے اُس موڑ کے تھوڑا آگے وہ گھاٹ ہے جہاں پار جانے کے لئے کشتی چلتی ہے۔ وہ اُسی طرف بڑھ گئے۔

ملّاح نے دور سے ہی اُنہیں آتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُسے اچھا لگا کہ کوئی کشتی میں بیٹھنے آ رہا ہے۔ بے کار بیٹھے بیٹھے وہ تنگ آ چکا تھا۔ سِدھ مول نزدیک پہنچے تو وہ انہیں پہچان کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر کشتی میں بٹھایا۔ سِدھ مول نے راحت کی سانس لی۔

ملّاح نے ڈانڈ پانی میں اُتارتے ہوئے کہا، ''مہاراج بہت دنوں بعد آپ کے پاؤں اس طرف پڑے، کہیں دُور گئے ہوئے تھے؟''

''ہاں میں راجوری گیا ہوا تھا۔ ایک سال کے بعد لوٹا ہوں۔ لیکن یہاں ایک سال میں بہت کچھ ہو گیا''۔ یہ بات سِدھ مول کے مُنہ سے یوں نکلی جیسے ایک سال میں جو ہوا اُس سے وہ ناخوش ہیں۔ لیکن ملّاح نے اُن کے دل کی بات کو نہیں سمجھا۔ وہ بولا، ''یہاں کی ہوا ہی بدل گئی مہاراج۔ اب غریب محتاج چین کی سانس لیں گے۔''

سِدھ مول دھیان سے اُسے دیکھنے لگے۔ اُس کا سایہ بھی کشتی کو ٹھیل رہا تھا۔ ملّاح اپنی بات کو آگے بڑھائے جا رہا تھا۔ ''بڑی بپتا جھیلی لوگوں نے۔ کتنے گھر گاؤں لُٹ گئے کھیت جل کر راکھ ہو گئے۔ اُوپر سے جرمانہ بھرو۔ راجہ نے اندھیر مچایا تھا۔ یہ راج پلٹ ہونا ہی چاہیئے تھا مہاراج۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سدھ مول کہنا چاہتے تھے، ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' لیکن اُن سے کہا نہیں گیا۔ اُن کے دِل میں جو ہلچل مچی تھی وہی اُن کو دریا کے میلے پانی میں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ پانی میں اُن کو اپنا سایہ دیکھ کر لگا کہ وہ اُن کا سایہ نہیں کسی اور کا ہے۔ جس کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ خود چاہے کتنے بے لاگ، کتنے غیر جانب دار ہوں لیکن پانی پر تیرتا ہوا سایہ اُن کے اندرون کے خیالات کی تائید نہیں کر رہا تھا۔ لہروں کے ساتھ ساتھ کانپتے ہوئے اُس کا اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ ملاح کی طرف داری کر رہا تھا۔

سدھ مول نے سائے پر سے اپنی نظر ہٹالی۔ اُن کے دل میں بے اطمینانی تھی۔ اِس سے پہلے انہوں نے کبھی اس طرح اپنے ضمیر کو لخت لخت نہیں دیکھا تھا۔

کشتی نے کنارے کو چھوا تو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ سدھ مول خیالوں سے باہر آ گئے۔ کشتی سے اُترتے ہوئے انہوں نے ملاح کا ہاتھ تھامے رکھا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کوڑیاں نکالیں اور اُنہیں ملاح کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، ''بس اتنی ہیں۔'' ملاح نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، ''نہیں مہاراج مجھے تو آپ کا آشیرواد چاہیئے۔ آپ کے پاؤں میری ناؤ میں پڑے یہ کیا کم ہے؟ بس اتنی دُعا دیجئے کہ بھوکوں نہیں مرنا پڑے۔''

ملاح کی بات نے سدھ مول کے دِل کو بے چین کر دیا۔ اُنہوں نے کانپتی آواز میں کہا، ''فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ملاح ہاتھ جوڑے کھڑا رہا۔ وہ وہاں سے چل پڑے اُن کے دِل میں انتشار و کشاکش تھی۔

دوپہر کے وقت بھی پاندر تیٹھن گاؤں سویا سویا تھا۔

سدھ مول گلی میں پہنچے تو ہوا ہلکی ہلکی مٹی اُڑا رہی تھی۔ مٹی میں ہلکی ہلکی خوشبو تھی لیکن اُن کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔ وہ جلدی سے ژندرابت کے گھر پہنچ جانا چاہتے تھے۔

دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ ژندرابت نے دروازہ کھولا۔ گورو جی کو دیکھتے ہی اُس نے زمین پر لیٹ کر قدم بوسی کی۔ اور انہیں بڑی عزت سے اندر لے چلا۔ چٹائی پر کمبل بچھا کر انہیں بٹھایا۔ اُن کے پاؤں دابتے ہوئے بولا، ''گورو دیو! ہم تو کب

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سے آپ کی راہ دیکھ رہے تھے۔'' اندر سے پنڈتانی بھی آ گئی۔ پرنام کر کے وہ اُن کے کھانے پینے کا انتظام کرنے اندر چلی گئی۔

ژندرابٹ کے پاؤں دابنے سے گوُرو سِدھ مول کو آرام مِلا۔ اُن کا جی چاہا کہ سو جائیں لیکن وقت نہیں تھا۔

''مہاراج آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے ژندرابٹ۔ یہاں تک آنے میں پہلی بار اِتنی تھکان کا احساس ہو رہا ہے۔ تم پاؤں دابو گے تو مجھے نیند آ جائے گی۔''

''پہلے کچھ کھا پی لیں، پھر آرام سے سو جائیں۔''

''نہیں میں سوؤں گا نہیں۔ مجھے آج ہی، ابھی چلے جانا ہے۔''

ژندرابٹ کو حیرانی ہوئی اچھا بھی نہیں لگا۔ گوُرو کے آنے سے بہت دنوں بعد دِل کو سکون ملنے کی اُمید جاگی تھی۔ وہ بے چین ہو کر بولا، ''نہیں گوُرو دیو میں آپ کو آج نہیں جانے دوں گا۔ اِتنے دنوں کے بعد تو آپ آئے ہیں۔''

''نہیں ژندرابٹ آج نہیں رُک پاؤں گا۔ بات ہی ایسی ہے۔''

ژندرابٹ نے دھیان سے اُن کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں بے چینی تھی، پریشانی تھی، اُسے اور بھی اچنبھا ہوا۔ اُسی وقت پنڈتانی تھالی پکڑے ہوئے اندر آئی۔ تھالی میں کھانے پینے کے لئے بہت کچھ تھا۔ گوُرو سِدھ مول نے تھوڑی مٹھائی کھا کر پانی پیا۔ پنڈتانی نے تلے ہوئے کمل نال کے ٹکڑے اُن کی طرف بڑھائے۔ کچھ ٹکڑے اور کچھ بادام کھا کر اُنہوں نے دودھ کا گلاس اُٹھا لیا۔ آہستہ آہستہ پینے لگے۔ طبیعت کچھ ٹھیک لگنے لگی۔ لیکن اُن کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک ویسے ہی تھی۔ ژندرابٹ کو بھی اپنی پریشانی کا حل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''گوُرو جی ابھی جا رہے ہیں۔'' پنڈتانی کو حیرت ہوئی۔ گھبرا کر بولی، ''مہاراج ہم سے کوئی بھول ہوئی؟''

''نہیں نہیں ایسی بات نہیں۔ ایسا تو تم سوچو بھی نہیں۔'' وہ بولے۔ اُنہیں دُکھ ہوا یہ دیکھ کر کہ اُن کے جانے کی بات سُن کر دونوں نا اُمید اور اُداس ہو گئے ہیں۔ اپنے تئیں اُن کی عقیدت اور محبت سے وہ واقف تھے۔ انہوں نے بات کو بدلنے کے لئے پوچھا، ''ژندرابٹ تمہارے باغ باغیچوں میں اس بار فصل

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

تو اچھی ہوئی نہ؟''

''اِس بار تو پھلوں کے ڈھیر ہی لگ گئے مہاراج، اُٹھا کر شہر تک لے جانا بھی مشکل ہو گیا۔ گاؤں والے بھی کتنا اُٹھاتے۔ کھا کھا کر تنگ آ گئے۔ ایشور جب دیتا ہے تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔'' کہتے کہتے ژندرابٹ اُن کے پاؤں دباتا جا رہا تھا۔ اور خوش بھی تھا کہ گورو جی کو خوش ہونے والی خبر سُنا رہا ہے۔ گورُو جی اُسے خوش دیکھ کر خوش تھے۔ لیکن پنڈتانی ابھی بھی اُن کے جانے کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ اُس نے بات چھیڑی۔ ''گورو جی آپ اِتنے مہینوں کے بعد آئے، پھر آج ہی کیوں جانا ہے؟''

سِدھ مول سوچنے لگے کہ کیا بتائیں۔ اُن کے مُنہ سے صرف اِتنا ہی نکلا، ''ہمارے یہاں کے حالات بگڑ گئے ہیں۔ اب یہاں _____''

ژندرابٹ نے کہا، ''گورو دیو حالات اب ٹھیک ہو رہے ہیں۔ شہہ میر نے اپنے پاؤں ٹھیک سے جما لئے ہیں۔ سبھی لوگوں کو لگتا ہے کہ اب باہر کا کوئی لٹیرا ہمارے ملک میں آ کر لوٹ مار نہیں کرے گا۔ اور آپ نے نہیں سنا سلطان نے وہ محصول معاف کر دیا جو راجہ نے صرف برہمنوں کے اوپر ہی لگایا تھا۔ بے انصافی کی انتہا تھی۔ جینا مشکل ہو گیا تھا لوگوں کا۔ سب نے راحت کی سانس لی ہے۔''

ملّاح نے بھی کچھ ایسی ہی بات کی تھی۔ دراصل لوگ راجہ سے تنگ آ چکے تھے چاروں طرف افراتفری، ابتری، بے یقینی، ہوا بدلی تو لوگوں کی جان میں جان آئی، سِدھ مول کہنا چاہتے تھے، ''ٹھیک ہوا'' لیکن اُن کے منہ سے نکلا نہیں۔ وہ آہستہ سے بولے، ''جو ہو رہا ہے وہ ہونا ہی تھا۔ پتہ نہیں شِو مہاراج کیا چاہتے ہیں۔'' اُن کے کہنے کا لہجہ ایسا تھا کہ ژندرابٹ کو تعجب ہوا، اُس نے پاؤں دابنا چھوڑ دیا، بولا، ''جو ہو رہا ہے آپ اُس سے ناخوش ہیں؟''

سِدھ مول کچھ دیر تک چپ رہے، پھر بولے، ''ہمارے راجہ کی بُزدلی نے ہمیں یہ دن دیکھنے پر مجبور کیا۔ ہماری سنسکرتی، ہماری تہذیب کو اب کوئی نہیں بچا سکتا۔''

ژندرابٹ اپنے آپ کو روک نہیں پایا۔ ذرا اونچی آواز میں بولا، ''مہاراج آپ سنسکرتی کی بات کر رہے ہیں لیکن میں اپنی عزت اور اپنی حفاظت کی بات کر رہا ہوں بھوک سے مرتے ہوئے لوگ مجبور ہو گئے ہیں۔ ہمارا راجہ ہماری حفاظت نہیں کر سکا حملہ آور کو دیکھ کر جو راجہ اپنی پرجا کو چھوڑ کر بھاگ جائے اُسے تخت پر بیٹھنے کا کیا حق ہے؟ رانی اُس سے زیادہ بہادر تھی اُس نے دُشمن کو مار بھگایا۔ ہاں یہ اُس کی بھول

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

تھی کہ اُس نے دوسری بار راجہ کو قبول کیا اور اُسے تخت پر بٹھایا۔ راجہ کو تخت پر بیٹھتے شرم بھی نہیں آئی۔''

سِدھ مول بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ اُنہیں پتہ تھا وہ ژندرابٹ کو اپنی بات سمجھا نہیں سکتے۔ وہ جو کہہ رہا تھا حقیقت تھی۔ پھر بھی اُن کے منہ سے نکل گیا۔

''لوگ کیوں بھول گئے کہ راجہ کی موت ہو جانے کے بعد، شہمیر نے کوٹا رانی کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا۔''

ژندرابٹ جوش میں تھا۔ وہ فوراً بول اُٹھا، ''ایک عورت سے حکومت کیا چلتی؟ لوگوں پر مصیبتیں آتی ہی رہتیں۔ باہری حملے اور اندرونی جنگیں عام لوگوں کا جینا دوبھر بنا دیتیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں آپ اپنا محصول کہاں سے دیتے؟''

سِدھ مول دیکھ رہے تھے پنڈتانی کی آنکھوں میں بھی اپنے خاوند کی باتوں کی حمایت تھی۔ اُنہیں چُپ رہنا ہی مناسب لگ رہا تھا۔ پھر بھی وہ زیادہ دیر تک چپ نہیں رہ سکے بولے،'' ژندرابٹ تم جو کہہ رہے ہو کشمیر کے زیادہ تر لوگ اِس وقت یہی کہہ رہے ہیں۔ پر میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ شاید اِس لئے کہ مجھے اپنے پیٹ کی کوئی فکر نہیں۔ میرا گھر بار نہیں۔ میری غریبی بھی مجھے تنگ نہیں کرتی۔ میں اِن حالات کو کسی اور نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ دُور بہت دُور جو مجھے دکھائی دے رہا ہے تُم اُسکے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں اس ہونی کو اب کوئی ٹال نہیں سکتا۔ پانی سر پر سے گذر چکا ہے۔ شِو شمبھو ہی اب اِس دھرتی کی سُدھ لیں گے۔ نیل کنٹھ کو اب اور زہر پینا پڑے گا۔'' یہ کہتے کہتے اُن کی آواز بھرا گئی تھی۔ پنڈت اور پنڈتانی دونوں اُن کی بات سُن کر سہم گئے اپنے گورو کے دُکھ کو نہ سمجھ کر بھی دکھی تھے۔ انہوں نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ اُن کے من کی بات کو سمجھ نہیں پا رہے۔ لیکن اُن کی باتوں میں کوئی مطلب ضرور ہے، اس کا انہیں یقین تھا اُن پر اُنہیں پورا بھروسا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گورو جی بولے،''شہمیر بہت چالاک ہے اُس نے برہمنوں کا محصول معاف کر کے اُن کی ہمدردی جیت لی ہے۔ وہ عام آدمی کو اپنا بنانا جانتا ہے۔ اُس نے شہروں کے بہت سے پنڈتوں کو اپنا حمائتی بنا لیا ہے۔ کئی پنڈت میرے پیچھے بھی لگے ہیں کہ میں بھی سلطان کا طرفدار بن جاؤں۔ مجھے بھی وہ بڑا رُتبہ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن میں اِس چکر میں نہیں آنا چاہتا۔ یہ چکر میرے ضمیر کو ڈبو دے گا۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔ میں یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ کل صبح میں کشتواڑ کی طرف چل پڑوں گا۔ ڈیڑھ

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دو مہینے لگیں گے کاشی پہنچنے میں۔ یہاں من مار کر بیٹھنے سے اچھا ہے وہاں چُپ چاپ عبادت کروں۔ پتہ نہیں کب لوٹوں گا۔ لوٹ بھی سکوں گا یا نہیں۔ جانے سے پہلے جی چاہا کہ تم سے مِلوں۔ لل کہاں ہے _____؟''

لل کا نام سُن کر ژندرابٹ اور اُس کی بیوی دونوں کو خیال آیا کہ لل کو گھر سے گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔ لیکن یہ تو ہر دن کی بات ہے۔ گھر سے نکلتی ہے تو اپنی مرضی سے لوٹتی ہے۔ اُس کی اِس عادت سے دونوں فکر مند ہو گئے ہیں۔ اس وقت بھی فکر اُن کے چہرے پر اُبھر آئی۔

وہ اس بارے میں گورو جی سے بات بھی کرنا چاہتے ہیں۔ سِدھ مول اُن کی پریشانی کو بھانپ گئے۔ بولے، ''لل کا نام سُن کر تم فکر مند ہو گئے ہو۔ کیا بات ہے؟''

ژندرابٹ نے بے تاخیر جواب دیا، ''مہاراج ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ وہ چاہتی کیا ہے۔ پریشان ہو گئے ہیں ہم۔ اپنی ہی مرضی سے چلتی ہے۔ ''پنڈتانی سے بھی رہا نہیں گیا۔ بولی، ''آپ ہی اُسے سمجھا کر یہاں سے جائیں گورودیو۔ ہم سے وہ کچھ نہیں بولتی۔ بیس بار پکارو تو ایک بار جواب دے گی۔ جب دیکھو گُپ چُپ، گُپ چُپ بیٹھی رہتی ہے۔ یا پھر جنگل جنگل گھومتی رہتی ہے۔ کل شام تک جب گھر نہیں لوٹی تو میں اُسے ڈھونڈنے نکلی، دُور جا کر دیکھا گھنے پیڑوں کے بیچ چُپ چاپ اکیلی بیٹھی تھی۔ کیا پتہ کیا سوچ رہی تھی۔ میں نے اِن سے کہا اب جلدی اُس کی شادی کر دینی چاہیئے۔''

''ایسا بھول کر بھی نہ کرنا'' سِدھ مول فوراً بول پڑے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں گورو مہاراج؟'' ژندرابٹ گھبرا گیا اُن کی بات سُن کر۔ جوان ہوتی بیٹی۔ اُس کی شادی نہیں کرنی؟ تو پھر کیا کرنا؟ اُس نے گورو جی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، ''ہم تو اُس کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر گھبرا گئے ہیں۔ بیٹیاں تو اِس طرح نہیں اُٹھتی بیٹھتیں۔''

''تبھی کہہ رہا ہوں ایسا سوچو بھی مت۔''

''اب وہ تیرہ سال کی ہو جائے گی۔'' پنڈتانی نے کہا۔

ژندرابٹ بولا، ''میں اُس کے لئے پدم پور کا ایک لڑکا دیکھ کر آیا ہوں۔ اچھا ہوا آپ بھی آ گئے جو کریں گے آپ سے پوچھ کر کریں گے۔''

سِدھ مول کچھ اور سوچ رہے تھے۔ آہستہ سے کہنے لگے، ''لل عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔ اُس کی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

آنکھوں میں مجھے کوئی اور ہی دُنیا نظر آتی ہے۔ وہ کسی اور ہی جگہ کی رہنے والی ہے۔ سواتی بُوند کی طرح یہاں آ گری ہے۔ جب میں نے اُس کے سامنے گیتا کے معنی کھولنے شروع کئے تو اُس نے ایسے سوال پوچھے جن کے جواب دینے سے پہلے مجھے بھی سوچنا پڑا۔ وہ ابھی سے سنسکرت میں ماہر ہے۔ اٹھارہ پُران اُس نے خود ہی پڑھ لئے ہیں۔ ژندرابٹ مجھے وہ کوئی مہان آتما محسوس ہوتی ہے۔ دِبھ آثار ہیں اُس میں۔ بھگوان شِو نے اُسے کسی خاص مقصد کے لئے اِس سورگ جیسی مگر بے نصیب دھرتی پر بھیجا ہے۔''

دونوں گورو جی کی باتیں سُن کر چپ رہ گئے۔ وہ تو یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ لل سچ مچ ویسی ہے جیسی وہ کہہ رہے ہیں۔

اچھی بات نہیں ہوئی۔

اِس ہونی کا سامنا کیسے کریں گے؟ ہاتھ جوڑ کر ژندرابٹ کہنے لگا، ''گورو مہاراج! مجھے معاف کریں۔ آپ کی باتیں سُن کر میں اور بھی گھبرا گیا ہوں۔ ہم عام لوگ ہیں۔ بے چارے برہمن۔ آج حالات کچھ ٹھیک لگ رہے ہیں۔ کل کا کیا بھروسہ، پتہ نہیں آگے جا کر کیسی بپتا پڑنی ہے۔ ہم اِس اندھی کُھا سے باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں نے جتنا جینا تھا جی لیا۔ اِس کُھا سے ہم نہیں نکلیں گے تو کوئی بات نہیں ہمیں بیٹی کو کنارے لگانا ہے۔ اُسی کی زندگی کو ٹھکانا دینا ہے اگر ہم ایسا نہیں کر پائے تو نجات کیسے ملے گی؟''

سِدھ مول بوکھلا کر اُٹھ بیٹھے۔ بے قرار ہو کر کبھی اِدھر، کبھی اُدھر پاؤں بڑھانے لگے۔ میاں بیوی دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گورو جی ناراض کیوں ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سِدھ مول اپنے ہیجان سے باہر نکل آئے۔ اُن سے کہنے لگے، ''میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور تم سمجھ نہیں سکتے کہ میں کیا محسوس کر رہا ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ میں صرف تم سے ____ لل سے ملنے آیا ہوں۔ وہ آ جاتی تو ____''

پنڈتانی بولی، ''مہاراج میں اُسے لیکر آتی ہوں۔''

''میرے پاس اب اِتنا بھی تو وقت نہیں۔''

''اگر آپ مندر کی طرف سے جائیں تو ہو سکتا ہے وہ آپ کو مل جائے۔''

''میں وہاں دیکھ لیتا ہوں۔ شِو شمبھو چاہیں گے تو وہ ضرور مل جائے گی۔ اُسے دیکھے بنا چلا گیا تو من بے چین رہے گا۔'' پھر ایک لمبی سانس لے کر بولے، ''سنیاس لے کر بھی آدمی کیسے بندھنوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

بندھار ہتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر جانے لگے۔ پنڈت اور پنڈتانی نے پرنام کیا۔ اُنہیں آشیرواد دے کر وہ باہر نکل گئے۔

وہ مندر کے پاس پہنچے۔ لیکن لَل کہیں دکھائی نہیں دی۔ اُنہوں نے سوچا شائد وہ مندر کے پچھواڑے میں ہو۔ وہ اُس طرف جانے لگے تو اچانک لَل کی آواز سنائی دی۔ ''گورُودیو!'' ''گورودیو!'' اُنہوں نے دیکھا اخروٹ کے بڑے درخت کے پیچھے سے لل بھاگتی ہوئی آرہی ہے۔ اُس نے آتے ہی اُنہیں جھک کر پرنام کیا، اور گورو جی نے بے انتہا مسرت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دیا۔

لل کی سانس چڑھی ہوئی تھی لیکن اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''گورودیو آپ کہاں چلے گئے تھے؟ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اور کتابیں دیں گے۔ کہاں ہیں میری کتابیں۔؟ میں ہر روز آپ کا راستہ دیکھتی تھی۔ ندی تک جاتی تھی، لوٹ آتی تھی۔ جایئے اب میں آپ کے ساتھ نہیں بولوں گی۔'' لَل نے رُوٹھنے کا ناٹک کیا۔ سِدھ مول مسکرا رہے تھے لَل کو دیکھ کر وہ ساری پریشانی بھول گئے تھے۔ وہ مندر کے آنگن کی دیوار پر بیٹھ گئے۔ ''بیٹھ جاؤ'' انہوں نے لل سے کہا۔ لَل ابھی تک روٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''میری کتابیں کیوں نہیں لائے؟'' کہتے ہوئے وہ اُن کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''جلدی میں سب گڑبڑ ہوگئی۔''

''اب آپ ہی بتایئے میں کیا پڑھوں گی؟''

وہ ایک ٹک اُسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو پتہ ہے میں کتاب نہیں پڑھوں تو مجھے کیسے کیسے خیال آتے رہتے ہیں۔''

''کیا سوچتی رہتی ہو تم؟''

''گورودیو بڑی عجیب عجیب سوچیں آتی ہیں۔ ابھی بھی اخروٹ کے درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ اچانک مجھے اُس طرف ایک ندی بہتی دکھائی دی۔ میں دنگ رہ گئی۔ بھلا اُس طرف ندی کہاں سے آگئی؟ پہلے تو مجھے یقین نہیں ہوا۔ میں نے آنکھیں مل کر بھی دیکھا۔ اُس کے اوپر ایک پُل بھی تھا۔ پار جانے کیلئے میں نے سوچا میں پار ہو کے آتی ہوں۔ اُس طرف آگے بڑھنے لگی۔ دھیان سے دیکھا تو سارا آکاش،

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ساری دھرتی، سارے جنگل پیڑ پگھل کر اُس ندی میں بہتے دکھائی دیئے۔ کیسی ان ہونی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے جیسے میں اُس ندی کے پاس پہنچنے لگی مجھے لگا کہ میں بھی پگھلنے لگی ہوں۔ مجھے مزہ آنے لگا۔ وہ ندی مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اور ہوا کے جھونکے کی طرح ہلکی ہو کر اُس طرف اُڑتی جا رہی تھی۔ اچانک مجھے لگا کہ میرے آس پاس کی دھند گھنی ہونے لگی ہے۔ میں اُس دھند میں گُم ہونے لگی۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ ندی وہ پُل سب گُم ہونے لگے۔ وہ سب کیا تھا گورو دیو؟ مجھے وہ سب کیوں دکھائی دیا؟ کون مجھے بار بار دھوکا دیتا ہے؟ میں پاگل تو نہیں گورو دیو؟ یہ سب کہتے کہتے وہ بڑے بھولے پن سے دیکھ رہی تھی۔

سِدھ مول ایک ٹک اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں انہیں غیبی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

لل نے اُسی معصومیت سے پھر سنانا شروع کیا، ''گورو دیو بہت بار ایک کانٹے دار جھاڑی میں پھول کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کانٹوں سے گھرے ہوئے وہ پھول اِتنے دلکش ہوتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو روک نہیں پاتی۔ میں کانٹوں کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ جاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے وہ پھول مجھے بُلا رہے ہیں۔ لیکن جب میرا ہاتھ اُن تک پہنچتا ہے تو وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ کوئی کانٹا بھی وہاں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ جھاڑی بھی کہیں گُم ہو جاتی ہے۔ اگر گم ہی ہونا تھا تو وہ دکھائی کیوں دی؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ مجھے بتایئے گورو دیو مجھے کیا ہو گیا ہے؟''

سِدھ مول نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور بولے، ''تمہیں کچھ نہیں ہوا بیٹی۔ تمہیں یہ جو صورتیں دکھائی دیتی ہیں یہ تمہاری خوش نصیبی کی نشانیاں ہیں۔ گھبراؤ مت۔''

''آپ کیوں نہیں سمجھتے گورو دیو۔ میرا من ہر وقت بے کل رہتا ہے۔ پتہ نہیں میں کیا ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔ گاؤں کی لڑکیاں مجھے پاگل کہتی ہیں۔ اِسی لئے میں نے اُن سے بولنا بند کر دیا۔''

''اچھا کیا۔ تم اُن کے پاس جاتی ہی کیوں ہو! تم اپنے آپ میں رہا کرو۔''

''اپنے آپ میں؟ کیسے؟''

''یہ باہر نظر آنے والی دُنیا سے الگ۔''

''مجھے تو یہ سب جھوٹ ہی لگتا ہے۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''کیا جھوٹ لگتا ہے؟''

''سب کچھ۔ مجھے لگتا ہے یہ ساری دُنیا مجھے دھوکا دینے کے لئے بنی ہے۔ اپنے آپ کو مکڑی کے جال میں پھنسا ہوا دیکھتی ہوں۔ اپنے آس پاس کی ہر چیز مجھے لگتا ہے دھوکا دینے کیلئے بنی ہے۔ چلتے چلتے میں کئی بار رُک جاتی ہوں اور سوچتی ہوں ابھی ابھی جو پیچھے دیکھ کر آ رہی تھی وہ سب غائب ہو گیا ہے۔ میں جیسے جیسے آگے بڑھتی ہوں۔ پیچھے سب گُم ہو چکا ہے۔ گورُودیو مجھے بتایئے میں کون سی اُلجھن میں پھنس گئی ہوں۔ یہ کیسے کانٹے ہیں جو مجھے چھوڑ نہیں رہے؟ کس نے مجھے اپنے پھندے میں پھنسا لیا ہے۔؟''

گورودیو اپنا پلکیں جھپکائے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے اُس کی آنکھوں میں اضطراب تھا۔ اُس کا درد اُنہیں اپنے دل میں سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے لل کا جو درد اُن سے برداشت نہیں ہو رہا اُسے خود لل کیسے برداشت کر رہی ہے؟ اُس کے غم کو کم کرنے کی غرض سے اُنہوں نے کہنا شروع کیا۔

''ہر آدمی کا وجود ایک اُلجھن ہے۔ زیادہ لوگوں کو اِس اُلجھن کا احساس نہیں ہوتا۔ جنھیں یہ اُلجھن تکلیف دیتی ہے وہ کبھی نہ کبھی اُس میں سے باہر نکل آتے ہیں۔ بیٹی شِو تیرا امتحان لے رہے ہیں۔ وہ درد کے رُوپ میں ہی انسان کے دِل میں آتے ہیں۔''

''اِسی درد میں شِو ہیں؟''

''ہاں''

''درد تو میرے من میں ہے۔''

''شِو بھی تیرے من میں ہیں۔''

''مجھے دکھائی کیوں نہیں دیتے۔''

''اُنہیں محسوس کرو تو دکھائی دیتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ تمہیں ضرور نظر آئیں گے اپنے اندر ہی جانے کی کوشش کرو۔ جو کتابیں میں نے تمہیں دی ہیں اُنہیں پڑھتی رہو۔''

''مجھے اور بھی کتابیں دیجیے۔''

''نہیں بیٹی اب میں تمہیں اور کوئی کتاب نہیں دے سکوں گا۔''

''کیوں۔ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''

''تُم سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں۔ بات یہ ہے بیٹی کہ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لَل نے گھبرا کر پوچھا، ''کہاں جا رہے ہیں گورو دیو؟ کہاں جا رہے ہیں''

سِدھ مول کچھ لمحوں کیلئے چُپ رہے۔ پھر بولے، ''مجھے بھی پتہ نہیں لَل۔ شائد آخر میں کاشی پہنچ جاؤں گا۔''

''کاشی تو شو کی نگری ہے۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''کاش میں تمہیں ساتھ لے چلتا۔ میں آج اِس لئے یہاں آیا ہوں کہ جانے سے پہلے تمہیں ایک بار دیکھ لوں۔ تمہاری پاگل پن کی باتوں میں مجھے کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔''

''آپ چلے جائیں گے تو میری بات کون سُنے گا؟''

لَل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی، ''گورو دیو آپ کیوں جا رہے ہیں؟''

''بھگوان کی یہی مرضی ہے۔ اِس دھرتی کو ایک سراپ نے ڈس لیا ہے۔ اِس کی آتما کو گرہن لگ گیا ہے۔ اندھیرے میں ڈوب رہی ہے یہ۔''

''یہ کیوں ہو رہا ہے؟ کون ایسا کر رہا ہے؟''

سِدھ مول سوچتے ہوئے بولے، ''وقت ہی سب کر رہا ہے۔ لیکن ایک دِن۔ لَل ایک دن ہو سکتا ہے تمہیں اِس دھرتی کو اِس اندھیرے سے نکال لو۔ میرا من تو کہتا ہے تم اِس دھرتی کی آتما بن کر ہمیشہ زندہ رہو گی۔''

''آپ کیوں مجھے اُلجھا رہے ہیں گورو دیو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''میں بھی حیران ہوں کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں۔ پتہ نہیں کون سی طاقت مجھ سے یہ کہلوا رہی ہے۔ تم جیتی رہو بیٹی تم جیتی رہو۔ میرا یہی آشیرواد ہے۔''

لَل سسکنے لگی۔ مشکل سے وہ اِتنا کہہ پائی، ''آپ مت جائیے گورو دیو!''

سِدھ مول نے شفقت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے، ''مجھے جانا ہی پڑے گا۔ بیٹی۔ جب تمہیں کوئی راستہ دکھائی نہ دے تو اپنے اندر جھانکنا۔ اندر رہتے ہوئے شِو شمبھو تمہیں سہارا دیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔''

لَل سسک رہی تھی۔ گورو جی نے اُسے گلے لگا لیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ وہاں سے چل پڑے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ماں سوئی ہوئی تھی ۔ باپو کہیں باہر گئے تھے۔لل کو موقع ملا۔پچھواڑے سے وہ چپ چاپ باہر نکل گئی۔کھونٹے سے بندھی گائے اُسے دیکھ رہی تھی۔

گلی میں پہنچ کر اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔گھر ویسے کا ویسا دکھائی دے رہا تھا۔گائے اب بھی اُس کی طرف دیکھ رہی تھی ۔اُس نے ایک لمبی سانس لی اور گلی میں چلتے چلتے گاؤں سے باہر کھلے میں آ گئی۔ آگے جا کر وہ ندی کے کنارے پہنچ گئی۔ندی جہاں سے مُڑتی تھی اُس موڑ سے آگے پانی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔اُسے گمان ہوا کہ آگے ندی ہے ہی نہیں۔جتنی اُسے دکھائی دے رہی ہے اُتنا ہی اُس کا وجود ہے۔ صرف اُسے دکھائی دینے کیلئے ہی نظر آ رہی ہے۔دوُر آگے جا کر دیکھا تو ندی بدستور بہہ رہی تھی۔اُسے تسلّی ہوئی۔وہ نیچے کی طرف ندی کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔چلتے چلتے اُس گھاٹ کے پاس پہنچ گئی جہاں کشتی کھڑی رہتی ہے اُس نے دیکھا کشتی پار گئی ہوئی تھی۔وہ ایک طرف بیٹھ گئی۔پار کچھ لوگ کشتی میں بیٹھ رہے تھے۔تھوڑی دیر میں کشتی وہاں سے چلدی۔اِتنی دور سے لل کو پتہ نہیں لگا کہ اُس کی سہیلی شالی بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہے۔کشتی آدھی ندی پار کر آئی تو شالی نے لل کو پہچان لیا۔

''پگلی بیٹھی ہے وہاں۔'' اُس نے ماں سے کہا۔ماں نے اُسے ڈانٹا۔'' ایسا مت کہہ۔بے چاری سیدھی ہے۔'' شالی کے باپ نے کہا،''میں تو سمجھتا ہوں وہ بہت سمجھدار ہے۔ایسی باتیں کرتی ہے کہ دنگ رہ جاؤ۔اور گاتی کتنا اچھا ہے۔بھگوان کو بہت مانتی ہے''ملاح بھی اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔بولا،''لل کو دیکھ کر لگتا ہے بُھول سے کسی اور ہی دُنیا سے یہاں آ گئی ہے۔اوپر والا اُس کا خیال رکھتا ہے۔''

لل نے اُن لوگوں کو دیکھا تو اُچک کر پانی کے پاس وہاں آ گئی جہاں کشتی کو لگنا تھا۔''تو یہاں کیا کر رہی ہے؟'' شالی نے کشتی سے اُترتے ہوئے لَل سے پوچھا۔لل نے شالی کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ خوش تھی اُسے دیکھ کر۔لیکن اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ملاح نے بتایا،''یہ تو روز یہاں آتی ہے۔''

''چل گھر'' شالی نے کہا۔

''نہیں میں تو ابھی یہاں آئی ہوں۔''

شالی کے باپ نے ہاتھ میں پکڑی ٹوکری میں سے ایک سیب نکال کر لل کو دیا۔''لے بیٹی کھالے۔''لل نے مسکراتے ہوئے سیب لے لیا۔شالی کی ماں نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔وہ لوگ گاؤں کی طرف چل پڑے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل نے ملاح سے کہا، ''چاچا مجھے پار جانا ہے۔''

''ابھی تم چھوٹی ہو بیٹی۔ اکیلی جاؤ گی پار کے جنگل میں تو گم ہو جاؤ گی۔ بیٹھی رہ یہیں۔ سیب کھا''

لل پانی میں پیر ڈال کر بیٹھ گئی۔ سیب کھاتے کھاتے بولی، ''ایک دن میں ضرور پار جاؤں گی'' اُس کی بات سن کر ملاح دھیان سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ سیب کھاتی ہوئی بڑی معصومیت سے دوسرے کنارے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ملاح کچھ پل اُسکی طرف دیکھتا رہا پھر مسکرا کر اپنے آپ سے بولا، ''اِس کی باتیں یہ نہیں بولتی کوئی اور بولتا ہے۔'' پھر اُس نے ایک طرف رکھی ہوئی گٹھری کھولی اور اُس میں سے سوکھی خوبانیوں کی ایک مٹھی بھر کر لل کو دی اور کہا، ''لے یہ بھی کھا'' خوبانیاں دیکھ کر لل بہت خوش ہوئی۔ اُس نے انہیں جیب میں ڈال لیا۔

کچھ لوگ گھاٹ کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ کچھ مرد، کچھ عورتیں۔ چھ سات برس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ سب سے پہلے وہ لڑکا ہی وہاں پہنچا۔ وہ سیدھے لل کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ سیب کھاتے کھاتے لل رُک گئی۔ اُس نے جیب میں سے کچھ خوبانیاں نکال کر لڑکے کی طرف بڑھائیں۔ لڑکے نے ہنستے ہنستے انہیں لے لیا۔ لل نے پیار سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکا اپنے گھر والوں کی طرف بھاگ گیا۔ وہ لوگ کشتی میں بیٹھ گئے۔

لل پھر سیب کھانے لگی۔

کہاں کہاں گھوم پھر کر لل گھر پہنچی تو اُس نے دیکھا آنگن میں دو اجنبی لوگ اُس کے باپو کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اُسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ لل جلدی سے اندر چلی گئی۔ ماں نے کہا، ''تیرا جی نہیں بھرتا گھومنے پھرنے سے؟ چل آ دودھ پی لے۔''

''ماں باہر کون لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؟''

''پدم پور سے آئے ہیں۔ تیرے بیاہ کی بات چل رہی ہے۔''

''باپو سے کہہ دو مجھے بیاہ نہیں کرنا۔''

''بیاہ نہیں کرنا تو پھر کیا کرنا، بھٹکتے رہنا؟''

لل کیا جواب دیتی۔ وہ دکھی ہو کر پچھواڑے چلی گئی، اور گائے کے گلے میں بانہیں ڈال کر اُسے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

-ہلانے لگی۔ اپنا دُکھ سُکھ وہ صرف اُسی کو بتاتی ہے۔ بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اُدھر ژندرابٹ مہمانوں کو رُخصت کر کے اندر آیا اور بیوی سے بولا، ''بات پکی ہوگئی سمجھو۔ اب صرف اُن کے گھر جا کر دیکھ لوں تو تاریخ بھی نکال لیں گے۔''

''آپ کی لاڈلی کہہ رہی تھی بیاہ نہیں کروں گی۔''

''کوئی لڑکی ہے جو ایسا نہیں کہتی؟''

''وہ دوسری لڑکیوں جیسی نہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔ بڑی سمجھدار ہے وہ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔''

رات کو لل کھانا کھا کر لیٹی تو اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بہت دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ اُسے لگا وہ اندھیرے کے کنوئیں میں ڈوبی ہے۔ اُس کی سانس گھٹ رہی تھی۔

رات آدھی بیت گئی تھی وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماں اور باپو دونوں کے خراٹے سنائی دے رہے تھے۔ اُس کے دل میں ہلچل تھی۔ وہ چپکے سے باہر نکل آئی۔

باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ تارے اونگھ رہے تھے۔ چاند کا اتا پتہ نہیں تھا۔ وہ کہیں دور نکل جانا چاہتی تھی۔ اچانک پیچھے سے ماں کی آواز سنائی دی، ''کیا بات ہے؟ تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' لل نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ماں نزدیک آ گئی۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہیں پھر لل نے آہستہ سے کہا، ''ماں۔ اِس وقت سب کیوں سو جاتے ہیں؟''

''پرماتما نے رات سونے کے لئے بنائی ہے۔''

''مجھے لگتا ہے رات جاگنے کے لئے ہے۔ لوگ تو سوئے ہوئے ہیں۔ لیکن دیکھو ساری دُنیا جاگی ہوئی ہے۔ ہوا جاگ رہی ہے تبھی تو چل رہی ہے۔ تارے لگاتار آنکھیں جھپکا رہے ہیں۔ جھینگروں کی آواز سنو جیسے چیخ رہے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں چیخ رہے ہیں۔ کیا تکلیف ہے اِن کو میرا جی چاہ رہا ہے میں کھیتوں کی طرف گھوم کر آؤں۔ آگے ندی تک۔ ندی کا پانی بھی تو کبھی سوتا نہیں۔ ہمیشہ جاگتا رہتا ہے۔''

ماں لل کے اور بھی پاس آ گئی۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی، ''بیٹی تیرے بیاہ کی بات پکی ہوگئی ہے اگر وہاں بھی تو ایسی ہی باتیں کرے گی تو وہ لوگ تمہیں کیا کہیں گے؟

''اُنہیں بھی تو پتہ ہے ندی کبھی سوتی نہیں۔ ہمیشہ بہتی رہتی ہے۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ماں نے لل کو گلے سے لگالیا اور رونے لگی۔ لل نے حیران ہو کر پوچھا، ''ماں تم رو کیوں رہی ہو؟''

''ایسی باتیں وہاں نہیں کرنا بیٹی۔ کوئی نہیں سمجھے گا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ پتہ نہیں وہاں تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔''

لل اُسکے رونے کا کارن کچھ جانتی تھی کچھ نہیں۔ لیکن اُسے اپنا کوئی قصور سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ جو بولتی تھی اپنے آپ اُس کے منہ سے نکلتا تھا۔ کوئی اُسے نہیں سمجھے تو وہ کیا کرے؟

کیسر کے کھیتوں کی مٹی لا کر لل کو نہلایا گیا۔ سہلیاں اُس کا بدن پونچھ رہی تھیں۔ شالی نے پیٹھ پونچھتے ہوئے کہا ''لل تمہارے کنوارے پن کا یہ آخری شنان ہے۔'' لل آہستہ سے بولی، ''آتما ہمیشہ کنواری ہی رہتی ہے۔''

''تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں،'' سُکنیا نے کہا، ''مری اپنے دولھے سے ایسی باتیں نہ کرنا۔ وہ بھی تمہیں پگلی کہے گا اور پیچھے ہٹ جائے گا۔''

سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

''مری پیچھے مت ہٹنے دینا۔'' شالی نے کہا، ''اچھی اچھی پیاری پیاری باتیں کر کے اُس کے من کو جیت لینا۔ پاروتی نے کتنی تپسیا کی شِو کا من جیتنے کے لئے تجھے پتہ ہے؟''

''گورو جی نے کہا ہے میرے شِو میرے اندر ہیں۔'' لل نے یوں کہا جیسے اُسے بات کا پورا یقین ہے اُس کی بات سُن کر سکنیا نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بولی، ''تجھے کوئی سمجھائے بھی تو کیسے؟''

اچھے دھنگ سے لل کا بدن پونچھ کر دونوں سہلیاں اب لل کو کپڑے پہنانے لگیں۔ موٹے موٹے دھاگوں سے کاڑھے ہوئے اُونی ملبوس پہنتے ہوئے لل کو لگ رہا تھا کہ اُسے زنجیروں سے باندھا جا رہا ہے۔ ''ترنگ'' پہن کر تو بہروپنی بننے کا احساس ہونے لگا۔

''میں ترنگ نہیں پہنوں گی۔'' وہ تنگ آ کر بولی۔

''اِس کے بنا دولھن کیسے لگو گی۔'' شالی نے اُس کے سر پر ''ترنگ'' کو سیدھا کرتے ہوئے کہا، ''کتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔''

''کیسا روپ نکھر آیا ہے۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل کو نہیں پتہ تھا کہ روپ کا نکھرنا کیا ہوتا ہے۔ اُسے تو لگ رہا تھا اُسے کسی جال میں پھنسایا جا رہا ہے۔ یہ گھر اُسے کیوں چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک بار اُس نے اپنی گائے کا بچھڑا پیدا ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ باہر آتے بچھڑے کو دیکھ کر وہ بکی رہ گئی تھی۔ ویسے ہی ایک بار اُس نے انڈے میں سے چوزے کو باہر آتے دیکھا تھا۔ اِس گھر سے رُخصت ہوتے ہوئے اُسے کچھ ویسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ جب اُس نے گھر سے باہر پاؤں رکھا تو ماں دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ باپو بھی آنکھیں پونچھ رہے تھے۔ لیکن وہ بالکل گُم سُم تھی۔ جب وہ پالکی میں بیٹھنے لگی تو سہلیاں اونچی آواز میں رونے لگیں۔ لل چپ چاپ ڈولی میں بیٹھ گئی۔

اپنے دولھے کے ساتھ جب وہ سسرال پہنچی تو وہاں زیادہ شور، گہما گہمی اور زیادہ ہلچل تھی۔ پدم پور کے زیادہ تر خوشحال گھرانوں کے لوگ، خاص کر عورتیں لل کو دیکھنے کے لئے جمع تھیں۔ ڈھول، طوطیاں بج رہی تھیں ناچنے گانے والوں کی بھی ٹولیاں تھیں۔ اُس کے دل میں صرف گورو سِدھ مول کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''ہمیشہ اپنے اندر جھانکتے رہنا۔ ایک دن تمہیں شو درشن دیں گے۔''

ایک نُکڑ میں چراغ جل رہا تھا۔ لل اُس کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ چراغ کی لو اُسے اپنے اندر جلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ بھول گئی کہ وہ کہاں ہے۔

ساس نے بہت جھنجھوڑا تو اُس کی آنکھ کھلی۔

''یہ کوئی پوجا کرنے کا وقت ہے؟ گاؤں کی کتنی عورتیں تمہیں دیکھنے کو آئی ہیں چل آ۔'' لل بے چین سی اُٹھی۔ اُس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، اور اُس کے ساتھ چل دی۔ اُس کے اندر جو لو جاگی تھی وہ بُجھ گئی۔ وہ خوفزدہ تھی۔

ساس نے اُسے عورتوں کے بیچ لا بٹھایا۔ ایک عورت نے اُس کی ٹھوڑی اُٹھا کر چہرے کو اوپر اُٹھایا۔ طوطے کی چونچ سی لمبی اور خمیدہ ناک کو سب نے پسند کیا۔ رخسار سرخ تھے۔ آنکھیں گہری نیلی۔ نیلا پن اتنا گہرا تھا کہ ایک دو عورتوں کو تعجب ہوا۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ لیکن مُنہ سے کچھ نہیں کہا۔

سب عورتیں چلی گئیں تو ساس نے کھانا پروس کر تھالی لل کے آگے رکھی۔ آدھی تھالی میں بھات تھا۔ بھات پر ساگ تھا۔ ایک طرف دو تین قسم کا گوشت تھا۔ سوکھی مچھلی بھی تھی۔ لل سے پورا بھات نہیں کھایا گیا۔ اُس نے تھالی اُٹھائی اور رسوئی میں جا کر رکھ دی۔ ساس نے ہاتھ دھلائے اور پھر وہ اُسے پیچھے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

والی کوٹھری میں لے گئی۔ جہاں اُسے اپنے دولھے کے ساتھ رہنا تھا۔ ایک کونے میں فرش پر بچھے بستر پر وہ بیٹھ گئی۔ اُسے بٹھا کر ساس دل ہی دل میں خوش ہوتی ہوئی باہر چلی گئی۔

اگر لل اس وقت اپنے گھر میں ہوتی تو وہ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گئی ہوتی۔ گلی سے نکل کر کھیتوں کے پار جنگل میں پہنچ جاتی۔ پیڑوں جھاڑیوں سے باتیں کرتے کرتے ندی کے کنارے پہنچتی اور پانی میں پیر ڈال کر بیٹھ جاتی۔ یہ سوچتے ہوئے اُس نے لمبی سانس لی۔ آنکھیں بند کرلیں۔ ایسے بندھنوں میں وہ پہلی بار جکڑی گئی تھی۔ اُس کا سارا جسم نڈھال تھا۔ اُسے پتہ نہیں چلا کہ بیٹھے بیٹھے کب سوگئی۔

جیسے زلزلہ آتا ہے وہ دہل کر اُٹھی۔

دامودر نے زور زور سے ہلا کر اُسے جگا دیا تھا۔ سہم کر وہ دامودر کی طرف دیکھنے لگی۔ دیئے کی مہین روشنی دامودر کے پیچھے سے آرہی تھی۔ اُس کا منہ اندھیرے میں تھا۔ لیکن لل کے چہرے پر تھوڑی روشنی تھی۔ دامودر نے اُس کے نزدیک سرکتے ہوئے کہا، ''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تمہارے جیسی حسین لڑکی میری دلہن بن کر اس گھر میں آئے گی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اور بھی اُس سے جُڑ کر بیٹھ گیا۔

لل ڈر سے سکڑ گئی۔ اب دامودر کا چہرہ کچھ کچھ دکھائی دینے لگا۔ لل نے کانپتی نظر سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے کے نقوش کی ہیئت عجیب تھی۔ مُدتوں پہلے کسی جنگل میں ایک شخص کو لکڑیاں کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بہت زور لگا کر لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ اُس کے کلہاڑے کے ایک ہی وار سے لکڑی دو پھاڑ ہو جاتی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا تھا۔ بس لکڑیاں کاٹے جا رہا تھا۔ دامودر کا چہرہ ویسا ہی تھا۔

''تم سو کیوں گئیں؟ تمہیں پتہ نہیں تھا کہ مجھے آنا ہے؟'' اُس کے مُنہ سے بدبو آرہی تھی۔ لل اُس کی بات کا کیا جواب دیتی؟ دامودر نے اُس کا بازو پکڑنا چاہا تو اُس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ دامودر نے کہا، ''بہت غرور ہے تمہیں۔'' لل کچھ نہیں بولی وہ خوفزدہ تھی۔

دامودر نے پھر کہا، ''عورتوں میں ناز و نخرہ نہیں ہو تو اُن سے زبردستی کرنے کا مزا بھی نہیں آتا۔ میں نے سُنا ہے تمہیں پڑھنے کا چسکا ہے؟''

لل نے گردن ہلا کر ہاں کہنے کی کوشش کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''پھر تو تمہیں اور بھی گھمنڈ ہونا چاہیئے۔ کتنا پڑھا ہے تم نے؟''

لل کیا بتاتی۔ کانپتی نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

دامودر بولا، ''کیا تم مجھے پڑھاؤ گی؟''

اُس کی بات سُن کر لل بے اختیار ہنسنے لگی۔ وہ اونچی آواز میں ہنسے جا رہی تھی اور حیرت زدہ دامودر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

بغل کی کوٹھری میں دامودر کے ماں باپ لل کی ہنسی سن کر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

''اس میں اتنا ہنسنے والی بات کیا ہے؟ تم نے گیتا پڑھی ہے تو مجھے بھی پڑھاؤ۔''

لل نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، ''تم لکڑیاں کاٹو گے یا گیتا پڑھو گے؟''

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''میں نے تمہیں ایک بار جنگل میں لکڑیاں کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''کب؟''

لل کچھ سوچنے لگی، پھر بولی، ''کوئی سو سال پہلے۔''

''تم پاگل تو نہیں۔ سو سال پہلے کی بات کر رہی ہو۔''

''گیتا میں لکھا ہے آدمی بار بار جنم لیتا ہے۔''

''لکھا ہوگا۔ میں گیتا نہیں پڑھوں گا۔''

''ایک پل میں ارادہ بدل گیا؟''

''ہاں بدل گیا۔ تیری ہنسی، تیری باتیں ..... ہے بھگوان! میرا کیا ہوگا،'' یہ کہتے کہتے وہ بستر میں لیٹ گیا۔

اُس کا ہٹ جانا لل کو اچھا لگا۔ اُس کے مُنہ سے آتی بدبُو بھی کم ہوگئی۔ دامودر لیٹے لیٹے ایک ٹک اُسے دیکھنے لگا۔ اُس کی خوبصورتی اُسے کھینچ رہی تھی۔ اُس نے لل کا ہاتھ پکڑ کر کہا، ''اِدھر آؤ۔''

لل اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔ دامودر نے زور لگا کر اُسے اپنی طرف کھینچا۔ لل کی چیخ نکل گئی۔ دامودر نے پوری طرح اُسے اپنے نیچے دبا لیا۔ بہت دیر تک وہ اُسے توڑتا۔ دَلتا رہا۔ اور وہ چیختی سسکتی رہی۔ جب پا... خنکارتا دامودر پیچھے ہٹا تو لل شکستہ کشتی کی مانند بے کراں درد کے سمندر میں سیلاب کے تھپیڑے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کھاتی رہی۔

وہ سیلاب ہر روز آتا رہا۔لل کو اور بھی شکستہ و ماندہ کرتا رہا۔دل گرفتگی اور خود شکنی کا احساس پیدا ہونے لگا۔وہ سوچتی جہنم میں سڑتے ہوئے اِس جسم میں بھگوان شِو کیسے رہ سکتے ہیں۔وہ رونے لگی۔یہ سوچنا بھی ناقابل برداشت تھا کہ شِو اُسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔وہ جینا نہیں چاہتی تھی لیکن مرنے کا کوئی راستہ اُسے معلوم نہیں تھا۔

دامودر کو ایک گوشے میں لے جا کر اُس کی ماں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا،''بیٹا مجھے لگتا ہے کہ ہم ٹھگے گئے۔''

''کیا ہوا؟''دامودر نے پوچھا۔

''بدچلن ہے۔''

''لل کے بارے میں کہہ رہی ہو؟''

''ہاں۔''

''کیا کیا اُس نے؟''

''بھید بھری ہے۔''

''کیا بھید بھرا ہے اُس میں؟ابھی دِن ہی کتنے ہوئے اُسے اِس گھر میں آئے ہوئے۔''

''مجھے لگتا ہے رات کو اُٹھ کر باہر جاتی ہے۔''

''کیسے ہو سکتا ہے ماں؟ باہر جاتی تو کیا مجھے پتہ نہ لگتا۔؟ اُسے رات کو باہر جا کر کرنا بھی کیا ہے۔''

''میں نے اپنے کانوں سے آدھی رات کو کنڈی کھلنے کی آواز سُنی ہے۔''

''تم تو ویسے ہی شکی مزاج ہو۔''

''تم نوہ لے کر دیکھو۔''

''نہیں مجھے اِن بھرم۔بھلا دوں میں اپنی نیند خراب نہیں کرنی۔''دامودر نے یہ کہا تو سہی لیکن دِل بس ایک خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔اِتنا تو وہ جان ہی چکا تھا کہ لل کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ہر روز اُس کے ساتھ سے زبردستی کرنی پڑتی ہے۔اُسے کسی بات سے کچھ لینا دینا نہیں۔مُردے جیسی پڑی رہتی ہے۔جب

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دامودر ہانپتا کانپتا الگ ہوتا ہے تو بھی لل کوئی ہلچل نہیں کرتی ۔کئی بار تو دامودر کو شک ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے سوئی پڑی ہے ۔کئی مرتبہ وہ ہلا کر بھی دیکھتا ہے ۔لل آنکھیں بھی نہیں کھولتی ۔اُس پر لحاف ڈال کر وہ سو جاتا ہے۔

ماں کی بات سُن کر اُس نے کئی بار رات کو جاگتے رہنے کی کوشش کی ۔لیکن جاگ نہ سکا۔نیند کے آگے وہ ہمیشہ ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

چند دِنوں کے بعد ماں نے پھر بات کی ۔دامودر نے اُسے ڈانٹ دیا لیکن اُس نے یہ بھی سوچ لیا کہ اِس بات کا نپٹارہ اب ہو ہی جانا چاہیئے ۔کھٹکا تو اُس کے دِل میں تھا۔بڑی کوشش کی کہ ایک رات اُس نے نہیں سونے کا اِرادہ کرلیا۔ایک جھپکی تو پھر بھی آ ہی گئی ۔لیکن فوراً آنکھ کھل گئی ۔چونک کر اُٹھا اور اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر دیکھا۔اُس کا ہاتھ لل کے بالوں میں پڑا۔وہ پچھتایا کہ بے کار نیند خراب کی ۔اُس نے کروٹ بدلی اور سو گیا۔

ساس کی آنکھ وقت سے پہلے کھل گئی ۔دِل میں خدشہ بھی تھا۔اُٹھ کر بیٹھ گئی ۔پھر وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی باہر والے دروازے تک پہنچ گئی ۔آنگن میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی ۔سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی ۔وہ اوٹ میں ہوگئی ۔دیکھا تو لل باہر سے آ رہی تھی ۔اُس کے چلنے کا ڈھنگ ایسا تھا جیسے مٹی کا بے جان پُتلا ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہو۔وہ اپنی کوٹھری کی طرف جا رہی تھی ۔ساس کا دِل کانپ اُٹھا دھڑکن تیز ہوگئی ۔صبح اُس نے دامودر سے بات کی ۔

''وہم ہوگیا ہے تمہیں ۔'' دامودر نے کہا۔

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اُسے باہر سے آتے ۔''

''میں بھی رات بھر جاگتا رہا۔کئی بار ٹوہ کر دیکھا۔''

''میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم لل سے ہی کیوں نہیں پوچھ لیتے ۔''

دامودر چُپ ہوگیا۔بہت دیر تک سوچتا رہا۔پھر بولا،''میں تمہارے سامنے ہی پوچھتا ہوں۔''

لل جانتی تھی اُس کے بارے میں کانا پھوسی ہوتی رہتی ہے۔لیکن کن باتوں کو لے کر ہوتی ہے یہ

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اُسے پتہ نہیں تھا۔ جب دامودر اندر آیا تو وہ کنگھی کر رہی تھی۔ پیچھے پیچھے ماں بھی اندر آ گئی۔ لل سمجھ گئی کوئی خاص بات ہے۔ وہ پھر بھی آئینے میں دیکھتی ہوئی بال بناتی رہی۔ دامودر نے نزدیک جا کر پوچھا۔ ''کیا رات کو تم گھر سے باہر گئی تھیں؟''

''ہاں۔'' لل نے آرام سے جواب دیا۔ ماں۔ بیٹا دونوں بوکھلا گئے۔ ساس اِس لئے حیران تھی کہ لل نے ذرا سی دیر بھی نہیں کی جواب دینے میں اور دامودر اِس لئے ششدر تھا کہ اُس نے خود ٹٹول کر دیکھا تھا لل کو سوئے ہوئے۔ ''میں نے رات کو خود تمہیں سوئے ہوئے دیکھا تھا۔'' اُس نے کہا۔

''ہاں میں سوئی ہوئی تھی۔'' لل نے معصومیت سے کہا، ''میں سوئے سوئے خواب میں باہر نکل گئی تھی۔ میں روز ہی جاتی ہوں۔ کھیتوں جنگلوں میں گھومنا پھرنا اچھا لگتا ہے۔ میں اپنے گاؤں میں بھی ایسا کرتی تھی۔ وہاں دن میں جاتی تھی یہاں رات میں۔ وہاں جاگتے میں جاتی تھی یہاں سوئے ہوئے۔'' یہ سب کچھ کہتے ہوئے لل نہ ڈر رہی تھی نہ گھبرا رہی تھی۔

ساس نے دنگ ہو کر کہا، ''میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں باہر سے آتے ہوئے دیکھا۔''

''میں کب کہہ رہی ہوں کہ نہیں گئی تھی۔''

''پر تم کیوں کہہ رہی ہو کہ سوتے میں گئی تھی؟''

لل چُپ تھی۔ پھر تذبذب میں پڑے ہوئے بولی۔ ''میں کیا کہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔''

دامودر غصّے میں آ کر بولا، ''یہ کیسے ہو سکتا ہے تم اندر بھی سوئی تھیں اور باہر بھی گھومنے گئی تھیں؟''

''مجھے نہیں پتہ میں اندر سوئی ہوئی تھی یا نہیں لیکن میں ہر رات گھر سے باہر جاتی ہوں۔''

ماں۔ بیٹا۔ دونوں سکتے میں تھے۔ کچھ دیر تک چپ رہ کر ماں نے کہا، ''بیٹا تمہیں بھرم ہوا ہوگا۔ نیند میں تم نے ہاتھ بڑھایا اور ٹٹولا ہوگا، اور سوچ لیا ہوگا کہ یہ سوئی ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اِنہوں نے سوئے سوئے ٹٹولا ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ میں باہر گئی تھی۔ مجھے تو آج جنگل میں سِدھ مول میرے گورُو جی ملے تھے۔'' لل نے کہا۔

''جھوٹ۔ بالکل جھوٹ'' دامودر اونچی آواز میں بولا۔ اُس کی ماں سہم گئی۔ لل کی باتوں نے اُسے اور بوکھلا دیا۔

''نہیں میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ گورو دیو نے خود کہا کہ اُنہوں نے سنسکرت کی کچھ قیمتی کتابیں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اپنے ایک ودیارتھی کے ہاتھ بھیجی ہیں۔انہوں نے مجھے بار بار تاکید کی کہ میں اُن کتابوں کو سنبھال کر رکھوں۔''

ماں اِتنی خائف تھی کہ وہ وہاں سے باہر نکل گئی۔گھبرایا ہوا دامودر بھی اُس کے پیچھے چلا گیا۔

لل نے باہر کے بڑے کمرے میں آ کر کہا۔''اچھا نہیں ہوا ہمارے ساتھ بدکار ہے۔'' دامودر کیا کہتا وہ بھی گھبرا گیا تھا۔

شام کے وقت دامودر کے باپو ایک سادھو کو لے کر گھر آئے۔سادھو کے ہاتھ میں چار پانچ کتابیں تھیں جو گوروسدھ مول نے اُسے دی تھیں لل کو دینے کیلئے۔دامودر اور اُس کی ماں خوف زدہ ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

لل نے سادھو کے پاؤں دھوئے ،عزّت سے بٹھا کر کھانا کھلایا اور نذر۔نذرانہ دے کر رُخصت کیا۔

اپنی کوٹھری میں جا کر لل دیئے کی روشنی میں کتابیں دیکھنے لگی۔

دامودر کے باپو پنڈت بل بھدر نے اپنی بیوی کی باتیں سُن کر کہا،''یہ اِتفاق کی بات ہے کہ لل کو خواب میں سِدھ مول دکھائی دیئے اور انہوں نے کتابوں کے بارے میں بات کی اور ایک شخص کتابیں لے کر آ گیا۔''لیکن دامودر کی ماں کہہ رہی تھی۔''اس چڑیل کو گھر سے نکال دو۔یہ ہم سب کو کھا جائیگی''

دامودر نے کہا،''آج ساری رات ہوشیار ہو کر دیکھوں گا''لیکن دل میں وہ بھی دہشت زدہ تھا۔

وہ رات کو اپنی کوٹھری میں آیا تو لل دیئے کی لو اونچی کر کے کتابیں لے کر بیٹھی تھی۔وہ اِتنی منہمک تھی کہ اُسے دامودر کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔دامودر لحاف اُوڑھ کر لیٹ گیا۔لل نے ایک کتاب چھوڑ دی تو دوسری اُٹھالی۔

دامودر نے پوچھا،''کیا کتابیں ہیں؟''

لل کو اب پتہ چلا کہ دامودر بھی وہیں ہے۔اُس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی،''سب سنسکرت میں ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے،پر کس کے بارے میں ہیں۔''

''شِو مہاراج کے بارے میں۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''دکھاؤ تو.....''

''بہت نایاب ہیں''

دامودر کو غصّہ آ گیا۔ ''کیا میں نہیں دیکھ سکتا۔''

''گورو جی نے کہا ہے سنبھال کر رکھنا۔''

''میں کیا اِنہیں کھا جاؤں گا؟''

لل تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ کبھی دامودر کو دیکھے کبھی کتابوں کی طرف۔ صاف تھا کہ وہ دامودر کو کتابیں نہیں دینا چاہتی تھی۔ دامودر کا غصّہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''نام تو بتاؤ اِن کے۔'' اُس کے اُٹھنے اور کہنے کا ڈھنگ ایسا تھا کہ لل سہم گئی۔ ایک کتاب اُٹھا کر اُس نے عنوان دیکھا اور بولی، ''اِس کا نام ''شِو ستر وتا نجلی'' ہے۔ اِسے اُتپل دیو نے لکھا ہے۔''

''اِس کے کئی شلوک باپو کو بھی یاد ہیں۔ تمہیں پتہ ہے کہ وہ بھی شِو بھگت ہیں۔''

''یہ دوسری ''بھارت منجری'' ہے اِسے مہا کوی کھشے میندر نے لکھا ہے۔''

''اِس کا نام میں نے سُنا ہے۔ اِس میں مہا بھارت کی کہانیاں ہیں۔''

''ہاں۔ یہ بہت مشہور کتاب ہے۔ یہ ایک اور مشہور کتاب ہے اَبھی نوگپت کی لکھی ہوئی، ''تنتر لوک۔''

''تُم تنتر کی کتاب بھی پڑھتی ہو؟''

''گورو جی نے تنتر کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔''

''تمہارے گورو جی اچھے آدمی نہیں۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''جو آدمی تمہیں تنتر منتر سکھاتا ہے وہ اچھا کیسے ہو سکتا ہے۔''

''آپ کو ایسا نہیں بولنا چاہیئے۔''

''تُم مجھے سکھاؤ گی کہ مجھے کیا بولنا چاہیئے؟'' دامودر تو بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر لل کانپ اُٹھی۔ وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ ''میں تمہارا گھمنڈ توڑ دوں گا۔'' کہتے کہتے وہ اُٹھا اور تینوں کتابیں لل کے ہاتھ سے چھین لیں۔ لل چیخی، ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دامودر نے وہ تینوں کتابیں چھت کے پاس بنے ایک طاقچے میں پھینک دیں۔لل کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔وہ رونے لگی۔پھر وہ اُس کے پانووں پر گر پڑی اور روتے روتے کہنے لگی۔''یہ کتابیں مجھے دے دو۔یہ میرے گورو جی کی ہیں۔مجھے بھیجی ہیں اُنہوں نے۔میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔مجھے دے دو۔''اُس کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا۔

دامودر نے اُس کے ہاتھوں سے اپنے پیر چھڑائے اور لحاف میں جا کر لیٹ گیا۔لل کو روتے دیکھ کر اُسے تسلی مل رہی تھی۔وہ اُسے اور بھی تڑپانا چاہتا تھا،''میں تمہیں یہ کتابیں دے دیتا ہوں بشرطیکہ تم انہیں پڑھو گی نہیں۔''

''نہیں پڑھوں گی۔''

''میں جو کہوں گا مانو گی۔''

''ہاں مانوں گی۔''لل نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

دامودر اُٹھا اور طاق میں سے کتابیں نکال کر اُسے دے دیں۔پھر اُسے حکم دیا،''اِدھر آ جا میرے پاس۔''

لل نے کتابیں دیئے کے پاس رکھ دیں وہ اب بھی سسک رہی تھی ایک لمبی سانس لے کر اُس نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

''اب آتی کیوں نہیں میرے پاس۔''دامودر نے پھر حکم سنایا۔

لل کا رونا نہیں رُک رہا تھا۔اب وہ کانپنے لگی تھی۔دامودر نے آگے بڑھ کر اُسے کھینچا۔لل نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب دامودر جب بھی اُسے پیتا۔کُچلتا وہ آنکھیں بند کر لیتی اور دل ہی دل میں ''شِو !شِو !'' کا وِرد کرنے لگتی۔اپنے اندر ہی اُس نے ایک گُپھا ڈھونڈ لی تھی۔''شِو !شِو !کا ورد کرتے ہوئے وہ اُسی گپھا میں بھاگنے لگتی تھی۔اُسے محسوس ہوتا کہ شِو یہیں کہیں ہیں پر اُن کے دیدار نہیں ہوتے تھے۔پھر بھی جب وہ شِو کو کھوجنے لگتی تو خوف اور درد کم محسوس ہوتا۔شائد کھوجنے میں ہی اُس خوف اور درد کا علاج تھا۔لیکن کھوجنے کی فُرصت کِسے تھی۔دامودر کو جب بھی موقع ملتا خونخوار جانور بن جاتا اپنے اندر کے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ڈراور خدشے کوکم کرنے کیلئے وہ لل کوجتنی تکلیف دے سکتا تھا۔دیتا تھا۔وہ سوچتا جسے میں اِتنا تڑپا سکتا ہوں اُس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔جو اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی وہ میرا کیا بگاڑ سکتی ہے۔

ساس بھی اُسے سانس نہیں لینے دیتی تھی۔بات بات میں ایسے طعن وتشنیع کرتی کہ کلیجہ پھٹ جاتا۔ہروقت حکم چلاتی اور کسی نہ کسی کام میں اُلجھائے رکھتی۔کھانے کو دیتی پر اِتنا جس سے جسم میں جان بنی رہے۔وہ جب لل کو تھالی میں بھات دیتی تو بھات کے اندر ایک پتھر رکھ دیتی تا کہ بھات کی ڈھیری بڑی نظر آئے۔لل کو کبھی غُصّہ نہ آتا۔بلکہ بھات کھا کر پتھر کو دوبارہ دھو پونچھ کر ایک کونے میں نکادیتی۔جب بھی بھوک تیز ہوتی شِوشِو چیخنے لگتی۔ایک بار لل نے ساس سے کہا،''گوشت کھانے کو میرا جی نہیں کرتا۔''اُس کے بعد ساس نے اُسے کبھی ساگ سبزی نہیں دی۔گوشت ہی دیتی۔لل گوشت کے ٹکڑے الگ رکھ کر صرف بھات کھالیتی اکثر بھات بھی نہیں کھاتی۔آہستہ آہستہ اُس نے بھوکے رہنا سیکھ لیا۔وہ کوٹھری میں جا کر اپنے اندر کی گپھا میں چلی جاتی۔اُسے پتہ تھا وہیں کہیں اُس کے شِو ہیں۔اِن معنوں میں ساس کا سلوک اُسے اور بھی شِو کی طرف لے جا رہا تھا۔کبھی کبھی اُس کا سسر اُس کی برداشت اُس کی خاموشی اور دین داری دیکھ کر اُس کی تعریف کرتا تو اُس کی آنکھیں بھیگنے لگتیں۔وہ بھیگی نظر سے جس طرف دیکھتی اُسے ہر چیز بھیگی ہوئی دکھائی دیتی۔اُس بھرپور آبیاری میں اُسے شِو کا احساس ہوتا۔آنسو بہنے لگتے۔دل پھٹنے لگتا۔وہ پہنچنا چاہتی۔

ایسے موقع پر اُسے ماں اور باپو کی یاد آتی۔وہ اُن کی سانسوں میں بسی ہوئی تھی۔جیسے خوبانی کی گٹھلی میں گری ہوتی ہے۔وہ کتنی بے فکر تھی۔بیاہ کر کے پرایا کر دیا۔کیا بیاہ کرنا ضروری تھا؟ کیوں ضروری تھا؟ بیاہ سے پہلے کتنا سکھ تھا۔اُس وقت اپنا آپ ہوا کی طرح ہلکا لگتا تھا اور بادلوں جیسا بھرا بھرا۔جنگل، ندیاں کھیت سب اُس کے اپنے تھے۔کچھ بھی پرایا نہیں تھا۔یہاں کون ہے اپنا؟ جسم مٹی میں مل گیا۔کتابوں میں پڑھی ایک بات یاد آتی تو دل کو راحت ملتی۔ایک جگہ لکھا تھا یہ کائنات شِو کا ہی روپ ہے۔اس کی بے مطلب اور بے کار چیزوں میں بھی شِو موجود ہے۔ہر ایک شے میں اُسے دیکھنے کی کوشش کرو۔وہ سوچتی کیا دامودر اور اُس کی ماں کے اندر بھی شِو موجود ہیں؟ وہ جیسا برتاؤ کرتے ہیں اُس میں شِو کا روپ کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟ لیکن جب درد وغم اور عذاب کی شدّت ناقابل برداشت ہو جاتی اور بے اختیار اُس کے مُنہ سے ''شِو اِشو!'' نکلتا تو وہ شِو کی چالا کی جان لیتی۔وہ روتے روتے مسکرانے لگتی۔وہ جان جاتی کہ ان

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دکھوں اور تکلیفوں سے ہو کر جو راستہ جاتا ہے وہی شِو تک پہنچانے والا راستہ ہے۔ شِو چاہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تکلیفیں برداشت کرے اور جلد سے جلد اُن تک پہنچے۔

پدم پور میں زعفران کی کاشت ہونے سے وہاں کے لوگ کافی خوشحال ہیں۔ فصل سال میں ایک ہی بار ہوتی تھی کارتک کے مہینے میں جب نیلے کاسنی پھول کھلتے تو اُن کی آغوش میں زعفران ہنسنے لگتا۔ ہوا اُن کی خوشبو چُرا کر لے جاتی، لیکن اُسے چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔ چاروں طرف اُسے اُڑا کر بکھیر کر ہی اُسے چین آتا تھا۔ اِس گاؤں کو خالق نے زعفران کی صورت میں ایسا عطیہ بخشا تھا کہ لوگوں کو اور کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وہ بے کار بھی تو نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ کئی اور کام دھندے بھی کرتے تھے۔ جیسے شہد کی مکھیوں کو پالنا۔ یہاں کا شہد راجوں مہاراجوں تک پہنچتا تھا۔ اب راجاؤں کی جگہ سُلطان آ گئے تھے لیکن زعفران کا شہد اُنہیں بھی عزیز تھا۔ بہت سے لوگوں نے کھڈیاں لگا رکھی تھیں۔ وہ اُن پر پٹو، کمبل، دریاں اور چادریں بنتے تھے۔ سُنار اور لوہار بھی تھے گاؤں میں۔ لگ بھگ سبھی گھروں میں عورتیں کتائی اور بُنائی کا کام کرتی تھیں۔ کوئی ازار بند، پراندے بنتی کوئی چھوٹی موٹی ٹوکریاں۔ گھروں میں جو چھوٹے موٹے کپڑے بُنے جاتے انہیں کُسنبے کے رنگ میں رنگا جاتا۔

پنڈت بل بھدر پروہتائی اور پوجا پاٹھ کا کام کرتے تھے وہ دھارمک رسومات کے ماہر تھے اور دُور دور کے گانوؤں میں اُن کے یجمان تھے۔ گھر میں کھانے پینے کی قِلت نہیں تھی۔ لیکن دامودر کو یہ کام سِرے سے پسند نہیں تھا۔ طاقتور نوجوان تھا۔ اُسے کُشتی لڑنے کا شوق تھا۔ اِس کیلئے وہ دُور دُور تک میلے ٹھیلوں میں جاتا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ فوج میں بھرتی ہو جاتا۔ لیکن ماں باپ نے اُسے جانے نہیں دیا۔ اُس کے ایک دو دوست جو فوج میں گئے واپس گاؤں میں نہیں آئے۔ دامودر کے دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ پھر بھی اُس نے گاؤں سے باہر جانے کا بہانہ ڈھونڈ لیا وہ گاؤں کے گھر گھر جا کر عورتوں کی بنائی ہوئی دستکاریاں سستے میں خریدتا اور شہر جا کر اُنہیں مہنگے بھاؤ بیچتا۔ شہر میں وہ کچھ دوسرے شوق بھی پورا کرتا۔ شراب کا رسیا تھا اور کبھی کبھی طوائفوں کے کوٹھوں پر بھی جاتا۔

اب کی بار دامودر شہر گیا تو اُس کے پاس کچھ زیادہ سامان تھا۔ کمہار سے کچھ زیادہ برتن مل گئے۔ لوہار کے پاس بھی کچھ زیادہ اوزار تھے وہ سبھی اُس نے لے لئے۔ اور چھوٹی موٹی چیزوں کی بھی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

افراط تھی۔ ٹوکریاں ، ڈلیاں ،پٹو ،دریاں ،چادریں ، کُھے ،جوتے ،چھڑیاں ،صافے ، پگڑیاں بہت کچھ۔ان سب چیزوں کوندی تک پہنچانے کے لئے کئی چکر لگانے پڑے۔ایک خاص چھوٹی ناؤ کرائے پر لینی پڑی۔جب گھر سے چلا تو ماں نے کہا،''ہوشیار رہنا اس بار تمہارے پاس بہت سامان ہے۔''اُس وقت لل اندرونی کوٹھری کی دہلیز پر کھڑی تھی ۔دامودر نے ماں سے کہا،''میں کوئی پہلی بار تو تمہیں جارہا۔فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔پرسوں تک میں آجاؤں گا۔'' کہہ کر وہ گھر سے باہر نکل گیا۔

دامودر کو شہر گئے ہوئے آج دس دن ہو گئے تھے۔نہ وہ آیا نہ اُس کا کوئی پیغام۔پنڈت بلبھدر پروہتائی کے کام سے مٹن کی طرف گئے ہوئے تھے۔وہ تین دن کے بعد لوٹے تو انہیں پتہ چلا کہ دامودر ابھی تک نہیں آیا۔وہ صبر والے آدمی تھے چُپی سادھ کر بیٹھ گئے ۔لیکن جب دس دن کے بعد بھی دامودر نہیں لوٹا تو وہ گھبرا گئے۔شہر کی طرف سے گڑبڑ کی افواہیں بھی آرہی تھیں۔سوچ بچار کر آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ دامودر کی تلاش میں وہ شہر جائیں گے۔

آج اُنہیں گئے ہوئے بھی تین دن گذر گئے۔

آج دامودر کی ماں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔گلی کی عورتیں دو تھالیوں میں کھانا لے کر آگئیں۔ماں نے اُنہیں بھی نہیں چھوا۔وہ لل کے پیچھے پڑی ہوئی تھی ۔اُسے گالیاں دے رہی تھی،''تیرا کچھ نہ رہے ڈائن!چڑیل!تیرے کارن یہ گھر برباد ہونے لگا ہے۔خاندان ختم ہونے لگا۔تیرا کیا بگاڑا تھا میرے بیٹے نے؟رحم کر اُس پر۔کھانا ہے تو مجھے کھا۔اگر میرے دامودر کو کچھ ہوا تو میں کیسے جیئوں گی؟ ارے اولوگو!نکالو اِسے یہاں سے۔''پڑوسنیں اُسے دِلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن وہ چُپ نہیں ہو رہی تھی۔

لل اپنی کوٹھری میں دیئے کے آگے بیٹھی تھی۔کانپتی آواز میں ''شوا شِوا!'' کا وِرد کر رہی تھی۔ساس کی گالیاں اُس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔وہ گھُپ اندھیرے میں روشنی کی کرن ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔کئی دن ایسے ہی بیت گئے۔اُسے اندھیرے کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔

اُس کی آنکھ کھلی۔جسم نڈھال ہے۔دل میں کھلبلی ہے۔وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔اُس کی سانس گھٹ رہی ہے۔وہ کوٹھری سے باہر آگئی۔بڑے کمرے میں ساس اُونچے اونچے رو رہی ہے۔دو تین پڑوسنیں اُس کے گرد بیٹھی ہیں۔اُس نے لل کو دیکھا تو ایکدم چیخ پڑی،''یہی ہے ڈائن!یہ ہم سب کو کھا جائے گی۔میں اِسے نہیں چھوڑوں گی،میں اِسے نہیں چھوڑوں گی۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کہتے کہتے وہ بھاگ کر لل کے پاس گئی اور اُسے مارنے لگی، ''یہی چڑیل جب سے آئی ہے ہمیں کھا رہی ہے۔ نکالو اِس کُل گھاتنی کو۔ یہاں سے بھیجو اِس منحوس کو اُن کے پاس جنھوں نے اِسے پیدا کیا ہے۔'' گالیاں نکالتے نکالتے وہ مارتی جا رہی تھی اور لل چُپ چاپ مار کھاتی جا رہی تھی۔ پڑوسنوں نے آگے آ کر اُس کے ہاتھ پکڑے اور اُسے وہاں سے ہٹایا۔ لل گھٹنوں میں سر دیئے ویسے ہی بیٹھی رہی۔ پھر وہ آہستہ سے اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ روآں روآں جیسے کراہ رہا تھا وہ رونا چاہتی تھی لیکن رو نہیں سکی۔

آسمان پر بادل چھائے تھے اور بہت سے گِدھ اُڑ رہے تھے۔ لل کی نظر اُن پر پڑی تو وہ خائف ہو گئی۔ اِتنے گِدھ تو وہاں ہوتے ہیں جہاں لاشیں پڑی ہوں۔ کہیں کوئی جنگ تو نہیں ہو رہی؟ پھر سے راج پلٹ تو نہیں ہو رہا۔ وہ فکر مند ہو گئی۔ گِدھوں پر سے نظر ہٹا کر وہ پچھواڑے کی طرف چل پڑی۔ وہ وہاں ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ دِل پریشان تھا اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ساس نے اُسے کیوں اِتنا مارا۔ دامودر شہر سے واپس نہیں آیا تو اُس میں اُس کا کیا قصور؟

اچانک اُسے ایک لمحے کیلئے ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ وہ اُٹھ کر کانٹے دار جھاڑیوں کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ دُور جنگل میں گھنے درختوں کے پیچھے ایک ندی بہتی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے اُسے کبھی کبھی ایسے وہم و گمان ہوتے تھے لیکن جو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے وہ وہم یا گمان کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سچ بھی تو ہو سکتا ہے۔ پہلے کی طرح ہی ندی بائیں سے دائیں کو جا رہی تھی۔ اُس نے آنکھیں ملیں۔ تھوڑا آگے بڑھ کر دیکھا۔ ندی کا پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اب دور سے ایک کشتی بہتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ اِسی طرف نزدیک آ رہی تھی۔ لل نے غور سے دیکھا۔ اُس میں دامودر اور اُس کے باپو بیٹھے ہوئے تھے۔ کشتی گھاٹ سے لگی اور دونوں اُس میں سے اُترے۔ لل بھونچکی تھی۔ رُکنا اُس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ گھر کے اندر بھاگی۔ وہاں ساس کے پاس اب زیادہ عورتیں بیٹھی تھیں۔ وہ اُن کے بیچ جا کر کھڑی ہوئی۔ اور اونچی آواز میں بے محابا بول پڑی۔ ''وہ دونوں شہر سے لوٹ آئے ہیں۔ ناؤ میں سے اُتر کر گھر کی طرف چل پڑے ہیں۔''

ساس اور دوسری سب عورتیں حیرانی سے اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ لل کا بات کرنے کا ڈھنگ بھی عجیب تھا۔ کسی کو یقین نہیں آیا۔ ساس نے پوچھا، ''تو نے انہیں کہاں دیکھا؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل جواب نہیں دے پائی۔ ''یہ پاگل ہمارے ہی پلّے پڑی ہے۔ یہی گھر اُجاڑو ہے۔''

لل جان گئی بھول اُسی کی ہے۔ کیوں کہی اُس نے یہ بات؟ ہوسکتا ہے اُس کا بھرم ہی ہو پہلے اِتنی مار پڑی ہے اور پڑے گی۔ سب لوگ اُسے پگلی پکاریں گے۔ پشیمان ہوکر وہ اپنی کوٹھری میں چلی گئی۔

اُسی وقت گلی کا ایک لڑکا دوڑتا بھاگتا آیا۔ اور بولا، ''دامودر بھیّا اور پنڈت جی آرہے ہیں۔''

ساس اور پڑوسنیں دنگ رہ گئیں۔

سب باہر کو بھاگیں

دامودر جب شہر گیا تھا تو کہیں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ جب اُس کی کشتی پکّے گھاٹ پر پہنچی تو ملاح کے ساتھ مل کر اُس نے اپنا سامان ایک طرف رکھا۔ اِتنی زیادہ چیزیں تھیں کہ منڈی تک لے جانے کیلئے کسی مزدور کا ہونا ضروری تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی مزدور نظر نہیں آیا۔ ایکا ایک اُسے احساس ہوا کہ یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر طرف سنسان ہے۔ اُسی وقت اچانک کھلبلی سی مچ گئی۔ ایک طرف سے لوگ بھاگتے دوڑتے دکھائی دیئے۔ اُن کی چیخ وپکار بڑھتی چلی گئی۔ پتہ نہیں کہاں سے ایک فوجی تلوار نکالے اور گلا پھاڑ کر فرمان سنانے لگا، ''بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ اپنے اپنے گھر میں چلے جاؤ۔ علی شیر کی فوج شہر میں داخل ہوچکی ہے۔ جمشید اپنے محل چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔''

ایسی بھگدڑ مچی کہ دیکھتے دیکھتے لوگ غائب ہوگئے جیسے کسی دیو نے اُنہیں پھونک سے اُڑا دیا ہو۔ دامودر گھبرا گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ اُسی وقت دُور سے کچھ فوجی آتے دکھائی دیئے۔ اُس نے بھاگنے کی سوچی لیکن اپنے سامان کی طرف دیکھ کر رُک گیا۔ اِتنا سامان چھوڑ کر جانے کی ہمّت نہیں پڑی، اُس نے فوجیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تین تھے۔ اُن تینوں نے مل کر کسی ایک کو اُٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک ایک ہاتھ لگا کر اُس زخمی سپاہی یا اُس کی لاش کو اُٹھایا ہوا تھا۔ اور دوسرے ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں چمک رہی تھیں۔ وہ دامودر کی جانب ہی آرہے تھے۔ وہ دہشت زدہ تھا۔ فوجی نہیں خوف اُسکی طرف بڑھتا آرہا تھا ایک فوجی کے ہاتھ میں جو تلوار تھی اُس میں سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے دامودر کو حکم دیا، ''کون ہو تم، اِدھر آؤ، اِسے اُٹھاؤ۔''

ہیبت زدہ دامودر بے حس وحرکت کھڑا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''تو نے سُنا نہیں۔ اُٹھا اِس کو۔''

دامودر ڈرتا ڈرتا اُس زخمی فوجی کے نزدیک چلا گیا۔ لیکن اُس کی نظر فوجی کی خون آلودہ تلوار کی طرف تھی۔ تینوں فوجیوں نے زخمی فوجی کو دامودر کی پیٹھ پر لاد دیا۔

''ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ'' ایک فوجی نے کہا۔

پھر وہ تینوں چل پڑے۔ دامودر بھی پیٹھ پر زخمی فوجی کو اُٹھائے چل پڑا۔ اُسے خیال آیا جیسے اُس نے پیٹھ پر اُٹھا رکھا ہے۔ وہ مُردہ بھی ہو سکتا ہے۔ یا پیٹھ پر پڑے پڑے مر بھی سکتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اُٹھا۔ پھر بھی وہ تیز رفتاری سے فوجیوں سے قدم ملا کر چلتا رہا۔

شہر میں پہنچ کر بھی کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا۔ گلی میں ایک بڑے دروازے والے گھر کے سامنے جا کر وہ فوجی رُک گئے۔ کنڈی کھول کر وہ اندر چلے گئے۔ انہوں نے دامودر کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔ دامودر بھی زخمی فوجی کو اُٹھائے اندر چلا گیا۔ اُن تینوں نے دامودر کی پیٹھ پر سے اُس زخمی فوجی کو بڑی ہوشیاری سے اُتارا اور ایک گوشے میں بچھی ہوئی موٹی چٹائی پر لٹا دیا۔ اُس کی دائیں پسلی سے لہو بہہ رہا تھا۔ دامودر نے اپنی پیٹھ پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو حد سے زیادہ چپ چپاہٹ کا احساس ہوا۔ ایک فوجی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔'' تم دونوں نکل جاؤ، تھوڑی دیر کے بعد میں بھی محلوں کی طرف آ جاؤں گا'' وہ دونوں باہر چلے گئے تو وہ دامودر سے بولا،'' اندر جا کر دیکھ کہیں پانی ملے تو لے آ۔ ہو سکتا ہے پانی پی کر یہ ہوش میں آ جائے۔'' دامودر نے اندر جا کر دیکھا رسوئی میں رکھے ایک گھڑے میں پانی تھا۔ ایک کٹورے میں پانی ڈال کر وہ لے آیا۔ اُس فوجی نے اپنے زخمی ساتھی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اُس کی بھنوؤں نے جنبش کی۔ دامودر ایک ٹک اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے زخمی فوجی کا چہرہ کچھ جانا پہچانا لگا۔ وہ اور بھی نزدیک جا کھڑا ہوا۔ یاد تازہ ہونے لگی۔ اُس کی داڑھی مونچھ کی وجہ سے پہچاننے میں دِقت ہو رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اُس نے فوجی کا منہ اپنے ہاتھوں سے کھولا اور دو گھونٹ پانی اُسکے منہ میں ڈالا۔ فوجی نے آنکھیں کھول دیں۔ اب دامودر نے اُسے پہچان لیا۔ وہ اُس کے بچپن کا دوست جے نندن تھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ جے نندن نے بھی آہستہ آہستہ اُسے پہچان لیا۔ اُس نے ہمت کر کے بولنے کی کوشش کی۔'' دامودر تو یہاں؟'' دامودر کوئی جواب نہیں دے پایا۔

فوجی نے اپنے زخمی ساتھی سے کہا،'' یہ ہمیں بڑے گھاٹ کے پاس ملا تھا۔ اِسی نے ہمارے کہنے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پر تمہیں اُٹھا کر یہاں لایا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو۔ میرا اس وقت محل کی طرف جانا بہت ضروری ہے۔ لڑائی آخری مرحلوں پر ہے۔'' جاتے جاتے اُس نے دامودر سے کہا۔ ''اِس کے زخموں پر کس کر کپڑا باندھ دو۔ ہوسکتا ہے خون بہنا بند ہو جائے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

دامودر نے ایک کپڑا ڈھونڈ کر جے نندن کی پسلی پر باندھ دیا۔ جے نندن سے درد برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ دامودر نے اُس گھر میں سب جگہ تلاش کرنا شروع کیا کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے۔ صرف ایک پوٹلی میں پانچ سات بادام ملے۔ اُس نے انہیں توڑا اور گریاں جے نندن کے مُنہ میں ڈالیں۔ تھوڑا پانی بھی پلایا۔ جے نندن کو ذرا ہوش آیا۔ اُس نے آہستہ آہستہ بڑی دھیمی آواز میں اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ اُس نے بتایا جب گاؤں سے شہر پہنچا اُسی دن کشمیر کی رانی کوٹا نے خودکشی کی تھی اور شہمیر نے تخت پر قبضہ جما لیا تھا کچھ ہی دنوں میں اُس نے شمس الدین لقب اختیار کیا اور کشمیر میں اسلامی حکومت کی مضبوط بنیاد رکھی۔ اُس وقت فوج کی طاقت کو بڑھانا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ سپاہیوں کی تعداد بھی بڑھائی جا رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے راجے، راجواڑے جاگیردار سر اُٹھا رہے تھے اُن کی سرکوبی ناگزیر تھی۔ نوجوانوں کو کئی طرح کے لالچ دے کر بھرتی کیا جا رہا تھا۔ اِسی لئے جے نندن کو سپاہی بننے میں مشکل پیش نہیں آئی۔ اُس نے بے تاخیر تلوار چلانا سیکھ لیا۔ تین سال تک حکومت کر کے سلطان شمس الدین نے کشمیر میں امن وامان کا ماحول پیدا کر دیا۔ عوام نے راحت کی سانس لی۔ لیکن جب وہ تخت پر بیٹھا تھا تبھی اُس کی عمر زیادہ ہو چکی تھی پچھلے برس اُس نے اپنے بڑے بیٹے جمشید کو تخت پر بٹھا کر حکومت کی باگ ڈور اُس کے ہاتھوں میں دے دی۔ لیکن اُس کا چھوٹا بیٹا علی شیر اپنے بھائی سے زیادہ ہوشیار اور چالاک نکلا۔ اُس نے چوری چھپے اپنی فوج تیار کرنا شروع کر دیا۔ جے نندن بھی اُسی فوج میں جا ملا۔ اُسے لالچ دیا گیا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اُسے اونچا عہدہ دیا جائے گا۔ مسلمان بننے کے بعد اُس نے اپنا نام توقیر احمد رکھ لیا۔ وہاں اُسے ایک بڑے دستے کا سردار بنا دیا گیا۔ ایک برس تک علی شیر سلطان جمشید کے خلاف سازشوں میں لگا رہا۔ چار دن پہلے اُس نے ایک دم شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ جے نندن (توقیر احمد) بھی اگلے دستوں میں نبرد آزما تھا۔ اُسے شاہی فوج کے ایک سردار کی شمشیر لگی اور گھوڑے سے گر گیا۔ اُس کے دستے کے تین وفادار سپاہی اُسے اُٹھا کر لے آئے۔ جے نندن کا کہنا تھا کہ علی شیر کی فتح یقینی ہے۔ کیونکہ بُزدل جمشید اپنے محل چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔ اب علی شیر کو سلطان

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ کہانی سناتے سناتے جے نندن بہت جوش میں آ گیا۔اُس نے دامودر سے کہا،''میں اب اور بھی اونچے عہدے پر پہنچ جاؤں گا۔دامودر اب تم بھی میرے ساتھ آ جاؤ۔میں سب کو بتاؤں گا تم نے مجھے بچایا ہے۔میں تمہیں جلدی سردار بنوادوں گا۔''

دامودر نے دیکھا بات کرتے کرتے جے نندن اچانک بے ہوش ہو گیا۔اُس کا لہو بہنا رُک نہیں رہا تھا۔شاید کمزوری بڑھ گئی تھی۔اُس کا چہرہ سفید ہوتا جا رہا تھا۔دامودر نے کئی بار اُس کے مُنہ پر پانی چھڑکا لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا۔اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔اُسے بھوک بھی اتنی لگی تھی کہ لگتا تھا وہ خود بھی بے ہوش ہو جائے گا۔اُس نے سوچا وہ باہر جا کر کچھ کھانے کو لے آئے۔لیکن باہر تو خطرہ تھا۔سُلطان جمشید کے فوجی اُسے علی شیر کا طرفدار سمجھ سکتے ہیں اور علی شیر کے فوجی اُسے اپنا مخالف جان کر مار سکتے ہیں۔اور پھر باہر اس وقت کھانے کے لئے کیا دھرا ہے؟ اور اگر وہ باہر چلا بھی جاتا ہے تو جے نندن کو پانی کون پلائے گا؟ وہ تو جیتے جی مر جائے گا۔

دامودر نے سوچا وہ کیوں نہ ساتھ لگے گھر میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کرے۔وہ عقب میں سے اُس کے اندر گھُس گیا۔وہاں چاول پکانے والی چھوٹی دیگچی میں تھوڑا بھات بچا پڑا تھا۔لیکن اُس میں سے سڑاند آ رہی تھی۔اُس نے ہمت کر کے ایک نوالہ منہ میں ڈالا،لیکن اُبکائی آ گئی۔قے کرنے کو من ہوا۔اُس نے فوراً تھوک دیا۔

وہ واپس جے نندن کے پاس آ گیا۔

جے نندن اِکہری سانس لے رہا تھا۔دامودر کو محسوس ہوا اُس کا بچنا ممکن نہیں۔اُس نے اُسکے مُنہ میں پانی ڈالنے کی کوشش کی۔

دو دِن بس اِسی طرح بیت گئے۔باہر کیا ہو رہا تھا اُسے کچھ پتہ نہیں چلا۔اندر وہ تھا اور موت کا انتظار کرتا ہوا جے نندن۔اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُس کے بچپن کا دوست اُسے اِس حالت میں ملے گا۔دو دن اور بیت گئے۔چھٹے دن جے نندن نے آخری سانس لی اور دامودر کی گود میں اُس کی گردن لڑھک گئی۔

دوست کی موت کا اُسے دھکا لگا۔لیکن بھوک کے مارے اُسے اپنی موت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔چھ دن ہو گئے تھے۔اُسے کچھ بھی کھائے ہوئے۔اب وہ کیسے بھی وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔باہر جو بھی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دیکھنے کو ملے گا دیکھا جائے گا۔ اُس نے آخری دفعہ جے نندن کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

اُس وقت باہر ابھی شام نہیں اُتری تھی۔ وہ اندازاً اُس طرف چل دیا جس طرف سے وہ جے نندن کو زخمی حالت میں اُٹھا کر لایا تھا۔ لیکن اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ بھوک اُس کی آنتیں کھا رہی تھی۔ پیاس بھی بھڑک رہی تھی۔ پرندی کتنی دور ہے اُسے پتہ نہیں تھا۔ ایک گھر کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ اُس کے اندر چلا گیا۔ اندر جا کر وہ کوئی کھانے والی چیز ڈھونڈنے لگا۔ لیکن کچھ نہ ملا۔ سب سے پچھلی کوٹھری میں اُس نے دیکھا ایک بلی مری پڑی تھی اور دو تین چوہے اُس کی کھال کُتر رہے تھے۔ وہ اُس طرف بڑھا تو چوہے ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ اُس نے بلی کو اُٹھالیا۔ ایک جگہ پر چوہوں نے بلی کی چمڑی کو بہت زیادہ کاٹا ہوا تھا۔ وہاں ایک سوراخ بن گیا تھا۔ اُسے بھوک اِتنی شدت سے لگی تھی کہ ایک بار تو جی چاہا وہ اُس سوراخ سے مُنہ لگا کر بلی کا خون پی لے۔ یہ بات سوچ کر ہی گھِن آ گئی۔ اُس نے بلی کو دُور پھینکا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

دور سے کچھ لوگ بستی کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ اُسے ڈر لگا کہیں فوجی ہی نہ ہوں۔ چور لٹیرے بھی ہو سکتے تھے۔ پھر اُس نے سوچا اِن گھروں کے مکین ہی واپس آ رہے ہوں گے۔ اِس بات سے کچھ تسکین کا احساس ہوا۔ وہ ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ لوگ ابھی دُور تھے۔ اُس میں اب اِتنی بھی طاقت نہیں تھی کہ کھڑا رہ سکے۔ وہ بیٹھ گیا۔ بھوک اُسکے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف بھوک ہی بھوک دکھائی دے رہی تھی۔

کچھ لوگ جو پہلے پہنچے سیدھے گلیوں میں غائب ہو گئے۔ وہ کنبے کے کنبے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد چند لوگ سامنے والے گھر کے اندر چلے گئے۔ کوئی بھی بھوک سے بے حال دامودر کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر کچھ لوگ اُس گھر کے سامنے آ کھڑے ہوئے جہاں باہر دامودر بیٹھا تھا۔ اُن میں ایک مرد، ایک عورت، چار چھوٹی بچیاں اور ایک بوڑھا مرد تھا۔ بوڑھے نے کھڑاؤں پہن رکھی تھیں اور مشکل سے چل رہا تھا۔ دامودر کو دیکھ کر انہیں لگا کہ کوئی بیٹھے بیٹھے ہی مر گیا ہے۔ بوڑھے شخص نے آگے بڑھ کر دیکھنا چاہا۔ وہ جان گیا وہ زندہ ہے۔ ''کون ہو تُم؟'' اُس نے پوچھا۔

دامودر نے اُن کے ملبوس اور چال ڈھال سے پہچان لیا کوئی بھانڈوں کا خاندان ہے۔ اور وہ بوڑھا اُن کا ''ماگن'' ہے۔ اُس نے بولنا چاہا مگر بول نہیں سکا۔ کمزوری کی وجہ سے یا پھر اِتنے دن خاموش

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

رہ کر وہ بولنا ہی بھول گیا تھا۔ بڑی دِقت سے وہ آہستہ آہستہ کہہ پایا، ''مجھے بھوک لگی ہے۔'' بوڑھا بولا، ''ہم جنگل میں چار دن گھاس پتے کھا کر آئے ہیں۔ بچوں کو پانی پلا پلا کر زندہ رکھا ہے۔ ہمارے پاس اِس وقت کچھ نہیں۔'' یہ کہہ کر بوڑھا اپنے بیٹے سے بولا، ''پتہ نہیں کون ہے۔ شاید برہمن ہے۔ بھوک سے مر رہا ہے۔''

وہ سبھی گھر کے اندر چلے گئے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد بوڑھا پھر باہر آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں سُوکھا سڑا کلچہ جیسا تھا۔ وہ اُس نے دامودر کی طرف بڑھایا۔ دامودر نے جھپٹ کر لیا اور بے تاخیر کھانا شروع کر دیا۔

''کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''میں پدم پور کا بیوپاری ہوں۔ سامان بیچنے آیا تھا۔ اِس افراتفری میں پھنس گیا۔''

''اگر تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ تو اچھا ہے۔''

''لڑائی ختم ہو گئی؟''

''سنا ہے علی شیر نے محلوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جمشید پیر پنچال کی طرف بھاگ گیا ہے۔ بڑا بُزدل نکلا۔''

گلچہ چباتے ہوئے گلا سوکھنے کے کارن دامودر کھانسنے لگا۔ مشکل سے سانس کو ٹھیک کرتے ہوئے اُس نے پوچھا، ''یہاں سے ندی کتنی دور ہے؟''

''دور تو ہے آہستہ آہستہ چل پڑو۔''

گرتے پڑتے وہ چل پڑا۔ بوڑھے نے اشارے سے بتا دیا کہ ندی کس طرف ہے۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ ایک جھاڑی دکھائی دی۔ جس کے پتے توڑ توڑ کر اُس نے کھا لئے۔ پھر وہ واپس وہیں لیٹ گیا۔

نیند نہیں آئی اُس نے اندھیرے میں ہی چلنا شروع کر دیا۔ دوسرے دن جب وہ دریا کے کنارے پہنچا تو سورج کافی اوپر آ چکا تھا۔ گھاٹ پر کوئی کشتی نہیں تھی۔ پانی پی کر وہ ایک طرف لیٹ گیا۔ تین دن ندی کا پانی پیتے پیتے گذر گئے۔ چوتھے دن اُسے ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ وہ ایک ٹک اُدھر دیکھنے لگا۔ اُسے لگا کہ اب اُس کی جان بچ جائے گی۔ کشتی نزدیک آئی تو دیکھا اُس میں اُس کے باپو پنڈت بلبھدر رہی تھے۔ اُنہیں دیکھ کر وہ زور زور سے رونے لگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کشتی میں سے اُترنے کے بعد دامودر کو ایک گھوڑے پر بٹھا کر گھر لایا گیا کیونکہ اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ پدم پور کے بہت سے لوگ اُن کے گھر کے باہر اکٹھا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر عورتیں تھیں۔ آنگن میں آتے ہی ماں نے روتے روتے دامودر کو بانہوں میں لے لیا۔ اُسے گرم گرم دُودھ پلایا گیا۔ گاؤں کے وَید نے آکر معائنہ کیا اور طاقت کی دوا دی۔

عورتوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ اُنہیں حیرانی تھی کہ لل کو یہ کیسے پتہ چلا کہ پنڈت بلبھدر اپنے بیٹے کو لے کر آ رہے ہیں۔ لل کے بارے میں اُن کے دلوں میں پہلے سے کئی خدشے تھے۔ گویا پانی جو پہلے برتن کے اندر اُبل رہا تھا باہر آ گیا۔ افواہیں اُڑنے لگیں۔

لل گھڑا اُٹھا کر گھاٹ سے پانی لانے جا رہی تھی۔ گلی پار کرنے ہی لگی تھی کہ ایک عورت اپنے گھر سے باہر آئی اور اُس سے بولی، ''بہو تجھ سے ایک بات کرنی ہے اندر آؤ۔'' لل تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ عورت اُس کی بانہہ پکڑ کر اندر لے گئی۔ وہ لل کے بہت پاس آ کر بولی، ''میرے بیٹے کو گھر سے گئے ہوئے کئی سال بیت گئے ہیں۔ اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اُس کے بارے میں سوچ سوچ کر رو رو کر اندھی ہونے لگی ہوں۔ تو مجھے بتا وہ کہاں ہے؟ وہ خیریت سے تو ہے، وہ کب گھر آئے گا؟''

لل گھبرا کر بولی، ''میں تو آپ کے بیٹے کو نہیں جانتی۔ مجھے کیا پتہ وہ کہاں ہے؟''

''تجھے سب پتہ ہے، سب پتہ ہے۔'' کہتے کہتے اُس نے لل کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں نہیں مجھے کچھ پتہ نہیں، کچھ پتہ نہیں۔'' کہتے ہوئے لل نے اپنا گھڑا اُٹھایا اور پریشان ہو کر باہر چلی آئی۔ وہ عورت بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔ اُس نے پھر اُس کی بانہہ پکڑ لی اور روتے روتے بولی، ''میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ تو میری بھی بہو بیٹی جیسی ہے۔ جے نندن اگر یہیں ہوتا تو وہ بھی تمہیں بھابی بھابی کہتا۔ تو دامودر سے پوچھ لے، دونوں دوست تھے۔''

''مجھے نہیں پتہ ماں جی، مجھے نہیں پتہ۔'' کہہ کر لل تیزی سے گلی میں آگے بڑھ گئی۔

جے نندن کی ماں اور بھی رونے لگی۔

گھاٹ پر دو تین لڑکیاں پانی بھرنے آئی تھیں۔ لل نے اُن کے پاس پہنچنے سے پہلے اپنے آپ کو سنبھالا پھر چپ چاپ اپنے گھڑے کو پانی میں کھنگالنے لگی۔

ایک لڑکی طنز کرتے ہوئے بولی، ''مکھڑا دیکھو تو کتنا بھولا بھالا ہے۔ دوسری بولی،'' جنہیں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

جادوٹونا آتا ہووہ کیسا بھی روپ بنالیتے ہیں۔''

تیسری لڑکی نے سیدھے لل سے کہا،''تمہاری ساس کہتی ہے تم ہروقت اپنی کوٹھری میں دیا جلا کر رکھتی ہو۔''

لل نے جواب دیا،''شِو بھگوان کی مورتی کے سامنے دِیا جلانے سے جادوٹونا نہیں آتا۔''

تینوں چُپ ہوگئیں۔انہوں نے تو اپنے گھڑے پہلے سے بھر رکھے تھے۔صرف گپ بازی میں مصروف تھیں ۔ پہلے والی لڑکی اپنے آپ کو روک نہیں پائی۔لل کے پاس آکر بولی،''ہم پر غصہ نہیں کرنا۔ہم جانتی ہیں تمہاری ساس بہت سخت ہے۔اری تم مجھے یہ بتا میری گود کب بھرے گی؟''

لل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بتائے۔بولی،''تم سب کو میرے بارے میں وہم ہوگیا ہے۔میں ایسی باتیں بالکل نہیں جانتی۔'' دوسری لڑکیاں بھی نزدیک آکر بیٹھ گئیں۔اُن میں سے ایک بولی،''اگر تم ہمیں بتادوگی تو تمہارا کیا جائے گا۔؟''

لل روہانسی ہوگئی۔کیا کہتی؟ اُس نے گھڑا بھرا،سر پر رکھا اور وہاں سے چل پڑی۔

پنڈت بلبھدر نے اُن سب لوگوں کے پیسے چُکتا کردیئے جن کا سامان لے کر دامودر شہر گیا تھا ماں کو اپنے بیٹے کے بخیر وعافیت لوٹ آنے کی اِتنی خوشی تھی کہ اُسے ہروقت کچھ نہ کچھ کھلاتی پلاتی رہتی۔گاؤں کی عورتیں مبارک دینے آتیں تو انہیں مٹھائی کھلاتی۔لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا۔لل کو رسوئی کا کام سنبھالنا پڑتا یا گھاٹ سے پانی بھر کر لاتی۔اُسے اپنی کوٹھری میں بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا۔کچھ پل کے لئے فرصت ملتی تو پچھواڑے جا کر بیٹھ جاتی اور دل ہی دل میں شِو کا وِرد کرتی تو تھوڑا سکون ملتا۔لیکن جو آسرا چاہیئے تھا وہ ندارد تھا۔بے چینی تھی ، بے اطمینانی تھی ۔دامودر لوٹ آیا اچھا ہوا۔لیکن گاؤں کے گھر گھر میں جو کہانی چل رہی تھی اُس کا انجام کیا ہوگا؟ ساس تو بتنگڑ بنا کر چھوڑے گی۔

آج دل میں زیادہ ہیجان تھا۔وہ سوچ رہی تھی کیا اِس دنیا میں رہ کر شو کے تئیں مکمل خود سپردگی ہوسکتی ہے۔پھر سوچتی یہ سپردگی اِس دنیا میں رہ کر ہی تو کی جاسکتی ہے۔اگر ہم دُنیا میں نہیں تو کیا سپرد کرنا ہے؟ کسے سپرد کرنا ہے؟ سپرد کرنے کا مطلب ہے بندھنوں سے چھوٹنا۔بندھن نہیں تو چھوٹنا کس سے؟ اور چھوٹ کر جانا کہاں؟ رہنا تو اِسی دُنیا میں ہے۔پھر اُسے گیتا میں پڑھا ہوا دھیان میں آتا۔سنسار میں رہ

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کر سنسار سے الگ رہو..... بے لاگ ۔ بے لوث ۔ کیسے رہو بے لاگ؟ جیسے کمل کا پھول پانی میں رہتے ہوئے پانی سے الگ ہے۔۔ گورودیو نے یہ بات کہی تھی ۔لیکن کمل کو تو قدرت نے بنایا ہی ویسا۔ پانی میں پیدا ہوتا ہے لیکن بھیگتا نہیں ۔لل سوچتی میرے جسم کی جلد حساس ہے۔ ہر لمس کو محسوس کرتی ہے اور من تو اسی جسم کے اندر ہے اُسے تو وہ بھی محسوس ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ مجھے تو اِسی گھر میں رہنا ہے ۔یہیں کھانا ہے پینا ہے، دامودر کے ساتھ سونا ہے اُس کی خواہشوں کی شدت کو برداشت کرنا ہے۔ من روتا ہے اور روتا ہوا من کیسے بے حس، بے لوث رہ سکتا ہے۔ بے رغبت رہنے کا جتن کرو تو تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ کیا شو کو میری تکلیف کا علم ہے۔ اُنہیں پتہ ہے میں کیسے عذاب میں ہوں؟

گورودیو نے جتنا پڑھایا ہے وہ سب ازبر کر کے بھی عذاب سے گریز ممکن نہیں۔ ساری نصیحتیں کہیں اندر ہی غائب ہو جاتی ہیں۔ وہ جس مٹی کی بنی ہے۔ وہ پکی ہوئی نہیں۔ اُسے اپنا آپ اُس کشتی کی طرح لگتا ہے جسے دریا کی تند لہروں میں کچے دھاگے سے کھینچا جا رہا ہے۔ وہ غرقاب ہو جائے گی۔ پار پہنچنا ممکن نہیں۔ اُسے سہارا دینے والا کون ہے؟ کون اُسے بچائے گا۔ سب پڑھا لکھا وہ بھول چکی ہے۔ اپنے اندر اُسے ہر وقت شدید درد کا احساس ہوتا ہے۔ روئے بھی کہاں جا کر؟

اُس نے گلی میں جے نندن کی ماں کو دیکھا۔ وہ اُنہی کے گھر کی طرف آ رہی تھی۔ باہر کا دروازہ کھول کر وہ آنگن میں آئی اور اندر چلی گئی۔ لل کی نظر اُس سے ہٹ کر آسمان کی طرف گئی۔ جنوب کی سمت سے کالے کالے بادل شمال کی سمت اور شمال کی سمت سے ویسے ہی سیاہ بادل جنوب کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ لگتا تھا دو فوجیں ایک دوسرے پر یلغار کر رہی ہیں۔ لل سکتے میں آ گئی۔ وہ بت بن کر دیکھ رہی تھی۔ بادلوں کے ریلے ایک دوسرے سے ٹکرانے ہی والے تھے۔ اُن کے گرجنے سے آسمان کا سینہ پھٹ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے بادل ٹکرائے اور بجلی کی برہنہ شمشیریں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں۔ یوں لگا جیسے آسمان سے لہو برسنے لگا۔ خون ہی خون۔ دہل کر لل اندر بھاگی۔ بڑے کمرے میں سے ہو کر وہ اپنی کوٹھری میں گھس گئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اُس نے کمبل اوڑھا اور سکڑ سمٹ گئی۔ دھڑکن بہت تیز چل رہی تھی۔

بڑے کمرے میں اُس وقت دامودر اُس کی ماں اور جے نندن کی ماں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ایک ٹکڑ میں پنڈت بلبھدر کمبل میں کانگڑی لے کر بیٹھے تھے۔ باہر سے بادلوں کی بھیانک گرج اور موسلا دھار بارش کی آواز آ رہی تھی۔ اُن سب نے لل کو باہر سے بھاگ کر آتے اور کوٹھری میں جاتے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ہوئے دیکھ لیا تھا۔ دامودر نے کہا، ''پتہ نہیں سارا دن کیا کرتی رہتی ہے۔''

''اُس کا راز جاننا مشکل ہے۔'' ماں نے کہا۔

پنڈت بلبھدر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بولے، ''بے چاری بھولی بھٹکی روح، پتہ نہیں کون سی دُنیا سے یہاں آ گئی ہے۔''

جے نندن کی ماں کو موقع مل گیا، بولی، ''سچی دیوی ہے۔ اس کے مُنہ سے سچی بات نکلتی ہے۔ اُس دن اِس نے ہی تو بتایا تھا کہ دامودر اپنے باپو کے ساتھ گھاٹ پر پہنچ گیا ہے۔''

''لل نے کہا تھا؟'' بھونچکے ہو کر دامودر نے پوچھا۔ اُسے اب تک اِس بات کا پتہ نہیں تھا۔

''ہاں۔ پوچھ لو اپنی ماں سے۔'' جے نندن کی ماں نے کہا۔

دامودر کی ماں چپ تھی۔ بیٹے سے ملنے کی خوشی اور جوش میں وہ اِس بات کو بھول گئی تھی، بات سچی تھی، لیکن مطلب اِتنا گہرا تھا کہ دل ہی دل میں کانپ اُٹھی۔ جے نندن کی ماں نے کہا، ''میں بھی اپنے بیٹے کے بارے میں لل سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ ہوسکتا ہے لل بتا دے کہ وہ کہاں ہے اور کب لوٹے گا۔''

دامودر گھبرا گیا۔ اُسے جے نندن کا آخری سانس لینا یاد آ گیا۔ اُسے وہ بھوک یاد آئی جس نے اُسے کئی دنوں تک کھایا تھا۔ جے نندن کیسے تڑپ تڑپ کر مرا اور وہ اُس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ اُس میں اِتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ جے نندن کی ماں کو وہ سب کچھ بتا دیتا۔ بھولی بھالی ماں کیسے برداشت کرے گی کہ اُس کا اکلوتا بیٹا اب اِس دنیا میں نہیں۔

اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر اُس نے جے نندن کی ماں سے کہا، ''سب کو وہم ہو گیا ہے کہ لل کے مُنہ سے جو نکلے گا سچ نکلے گا۔ سب بکواس ہے۔ میں نہیں مانتا۔'' پھر اُس نے جے نندن کی ماں کے قریب جا کر زوردار لہجے میں کہا، ''چاچی وہ مجھے بتا کر گیا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے جا رہا ہے۔ وہ ضرور فوج میں ہی ہوگا۔''

''کیا فوجی لوگ کبھی گھر نہیں آتے؟'' جے نندن کی ماں نے روہانسے ہو کر پوچھا۔

''آجکل لام لگی رہتی ہے۔ کسی کو چھٹی نہیں ملتی۔''

''تم شہر جاتے رہتے ہو، اُس کی کھوج خبر لو نہ۔''

''اگلی بار جاؤں گا تو کوشش کروں گا۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

جے نندن کی ماں تو چلی گئی لیکن دامودر پریشان ہوگیا۔ کیا لل نے سچ مچ اُس کے آنے کی پیشین گوئی کی تھی؟ اگر اُس نے جے نندن کے بارے میں بھی کچھ بول دیا تو؟

دامودر کی ماں آہستہ سے بولی، ''بیٹا میری مان۔ اِسے چپ چاپ اِس کے ماں باپ کے پاس چھوڑ آ۔ یہاں رہے گی تو خاندان ہی ڈوب جائے گا۔''

پنڈت بلبھدر بولے، ''اُس کے پیچھے مت پڑو۔ شوشنکر کا ہاتھ اُس کے سر پر ہے۔ اُسے ستاؤ گے تو تمہارا بھی بھلا نہیں ہوگا۔''

اُن کی بات دونوں کو اچھی نہیں لگی۔

دامودر وہاں سے اُٹھ کر اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔ لل دیئے کے سامنے آنکھیں موند کر بیٹھی تھی۔ وہ ایک ٹک اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر کمبل اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ باہر زور سے بادل گرجا۔ بجلی کے کڑکنے کی آواز بھی آئی۔ لل کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دامودر کو دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اُس کی نظروں میں تجسّس تھا۔

''اتنا گھور کیوں رہی ہو'' دامودر نے پوچھا

''وہاں بہت سارے گِدھ اُڑ رہے تھے۔'' لل کی آواز کانپ رہی تھی۔

''گِدھ؟'' دامودر کو حیرانی ہوئی، ''کہاں؟''

''ہر طرف مرے ہوئے لوگ، مُردار، گِدھ.....''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''تم نے شہر میں نہیں دیکھا؟''

''کیا؟''

''کتنے لوگ پیٹھ پر لاشیں اُٹھا کر جا رہے تھے۔''

دامودر گھبرا گیا، ''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ پاگل تو نہیں ہو گئیں تم؟''

''دیئے کی لو میں سب دکھائی دے رہا تھا۔''

''کیا۔ کیا دکھائی دے رہا تھا۔'' دامودر نے چیخ کر پوچھا۔

لل تھر تھر کانپ رہی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''تمہاری عقل ماری گئی ہے۔'' کہتے کہتے دامودر کھڑا ہو گیا۔'' پاگل پن کی باتیں کر رہی ہو۔'' کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

لل پشیمان تھی۔ دیئے کی لپٹ میں اُسے جو نظر آیا اُس نے کہہ دیا۔ کیوں کہہ دیا؟ کیا کرے؟ اُس کے مُنہ سے بے اختیار نکل جاتا ہے۔

دامودر باپو کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پریشان۔ خائف۔

اُسی وقت ماں تھالی میں کھانا لے کر آ گئی۔ اُس نے تھالی پنڈت بلبھدر کے آگے رکھی اور دامودر سے پوچھا،'' تمہارے لئے کھانا لاؤں؟''

دامودر نے ماں کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس کے اندر طوفان برپا تھا۔ اُس نے ماں کی طرف جھکتے ہوئے دھیمے سے کہا،'' ماں تم ٹھیک کہتی ہو لل کو اُس کے ماں باپ کے پاس چھوڑ آنا ہی اچھا ہے۔'' اُس کی ماں نے خاوند کی طرف دیکھا۔ پنڈت جی نے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ بولے'' یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

دامودر نے آہستہ سے کہا،'' اُس میں کوئی عیب تو ہے۔ بھید بھری ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے اب اُس کے پاس بیٹھنے سے ڈر لگتا ہے۔''

ماں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا،'' گاؤں کی کتنی عورتوں نے مجھے اشاروں اشاروں میں سمجھایا کہ لل کی گہری رازدار آنکھوں میں سائے منڈلاتے ہیں۔''

'' یہ سچی بات ہے۔ میں اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

تینوں چپ تھے۔

دیر کے بعد پنڈت جی بولے،'' کوئی ترکیب کوئی حکمت بھی تو عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ میں کسی ماہر اوجھا کو بلاتا ہوں۔''

''جس کی جڑ میں خرابی ہوگی اُس پر حکمت کیا اثر کرے گی۔؟'' ماں نے کہا۔ پنڈت جی پھر بولے،'' گھر کے لوگوں کو اس طریقے سے دھکا تو نہیں دیا جا سکتا۔''

''وہ اِس گھر کی کبھی تھی ہی نہیں۔'' ماں نے جواب دیا۔'' دامودر تم فوراً اُسے پاندر ٹھن چھوڑ کر آؤ۔ میں پہلے سے زیادہ دھوم دھام سے تمہاری شادی کروں گی۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''ماں مجھے دوسری شادی کا چاؤ نہیں۔ میں چاہتا ہوں اس سے چھٹکارا ملے۔'' دامودر سچ مچ گھبرایا ہوا تھا۔

تینوں پھر خاموش ہو گئے۔

آخر پنڈت جی نے چپی توڑی، ''لل کو ابھی کچھ مت کہو۔ میں کوئی راستہ ڈھونڈتا ہوں۔''

پھر بھی دامودر نے لل سے کہہ دیا کہ وہ گھر سے باہر جانا بند کر دے وہ نہیں چاہتا تھا کہ گاؤں کی عورتیں اُس کا مذاق اُڑائیں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ لل جے نندن کی ماں سے کوئی بات کرے۔ اُس کا خیال تھا اس راز کو راز ہی رہنے دیا جائے تو اچھا ہے۔ وہ کسی عورت کو لل سے ملنے نہیں دیتا تھا۔

لل سمجھ گئی تھی کہ وہ اکیلی ہے۔ اُسے اکیلے ہی رہنا ہے۔ وہ اجنبیوں اور بے گانوں سے گھری ہوئی ہے۔ اُس کا طرفدار کوئی نہیں تھا۔ سب آپس میں ہی پھسپھساتے تھے۔ اُس سے کوئی بات نہیں کرتا۔ اُس نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ اگر ان چاہے اُس کے مُنہ سے کوئی سچ بات نکل جاتی ہے تو اِس میں اُس کا کیا قصور ہے؟ اُس نے تو کبھی کوشش نہیں کی کہ اُسے کسی گذری ہوئی یا کسی آنے والی بات کا پتہ چلے۔ گورودیو نے کہا تھا سب کچھ شو ہے۔ اگر سب کچھ شو ہے تو پھر یہ عذاب کیا ہے۔ جس میں اُس کو رہنا پڑ رہا ہے۔ کیوں اُس کی شادی ہوئی؟ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی تو اِن بے رحم لوگوں کے نرغے میں کیوں آ گئی۔ کیا یہ سب شو کی لیلا ہے؟ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شوشنکر کو کیا پڑی کہ مجھے اِتنا درد و غم دیں۔ لوگ تو جتنا دُکھ سہتے ہیں اُتنا ہی شو کو یاد کرتے ہیں لیکن لل کو ڈر لگنے لگا ہے کہ اس شدتِ رنج و محن میں اُس کے ہاتھ سے شو کا دامن ہی نہ چھوٹ جائے۔ بے سہارا ہو جائے گی وہ۔ گورودیو نے کہا تھا شِو تیرے اندر ہے اِسی لئے لل سوچنے لگی ہے اِس عالم آشوب میں جو جسم اِتنا کمزور اِتنا کریہہ اور بدنما ہو گیا ہو اُس کے اندر شِو کیسے رہ سکیں گے؟ چھوڑ کر چلے نہیں جائیں گے؟

ایک دن دامودر کسی دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا۔ لوٹنے میں دیر ہو گئی۔ آ کر دیکھا تو لل گھر میں نہیں تھی۔ اُسے غصہ آ گیا۔ ماں سے پوچھا تو وہ بولی، ''میں نے اُسے منع کیا مگر وہ نہیں مانی دریا پر پانی بھرنے گئی ہے۔'' سن کر دامودر اور بھی طیش میں آ گیا۔ لل کو گھسیٹ کر لانے کیلئے وہ باہر جانے لگا تو دیکھا پانی کا گھڑا سر پر رکھے لل آ رہی ہے۔ ہنکارتا، پھنکارتا وہ اُس کی طرف بڑھا۔ سامنے ایک لاٹھی پڑی تھی، اُسے اُٹھا لیا۔ لل جیسے ہی باہر کے دروازے سے اندر آئی۔ دامودر نے لاٹھی کو پورے زور سے گھڑے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پر مارا۔ گھڑے کا گلا ٹوٹ گیا۔ لیکن پانی نہیں چھلکا۔ اُس نے ایک اور لاٹھی کا وار کیا۔ گھڑا ٹوٹ گیا۔ ٹھیکریاں یہاں وہاں بکھر گئیں، لیکن یہ دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا کہ گھڑے میں جتنا پانی تھا وہ ویسے کا ویسا ہی گھڑے کی شکل میں لل کے سر پر جما ہوا تھا۔

گھڑا ٹوٹنے کی آواز سُن کر دامودر کے ماں باپ بھی باہر نکل آئے۔ اُن کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں یہ دیکھ کر کہ لل نے سر پر گھڑے کے بنا گھڑے کی صورت میں پانی کو اُٹھا رکھا ہے۔ انہوں نے دامودر کو دیکھا جو سہما ہوا کھڑا تھا۔ تینوں دہشت زدہ تھے۔

لل ساکن کھڑی تھی۔ بالکل بے فکر۔ گویا وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس نے سر پر بنا گھڑے کے پانی اُٹھا رکھا ہے۔ لاٹھی پڑنے سے جب گھڑا ٹوٹا تھا تب بھی وہ گھبرائی نہیں تھی۔ دھیمی دھیمی رفتار سے وہ رسوئی کی طرف چلدی۔ اُس نے پانی کے گھڑے کو سر سے اُتار کر کمر پر رکھ لیا۔ پھر اندر جا کر اُس نے پانی کو گاگروں میں اُنڈیلنا شروع کیا۔ دامودر اور ماں باپ یہ دیکھ کر سکتے میں تھے۔ گاگریں بھر گئی تھیں، لیکن پانی اُسی شکل میں ابھی تک پورا تھا۔ جب سبھی برتن بھر گئے تو لل نے گھڑے کی صورت میں جما ہوا وہ پانی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

باہر گھڑا ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ دامودر اور اُس کے ماں باپ نے باہر جا کر دیکھا جہاں پانی گرا تھا وہاں ایک گڑھا بن گیا تھا اُس میں پانی بھی تھا۔

اگلے دن پنڈت بل بھدر پاندر ٹھن چلے گئے۔ انہوں نے لل کے باپو ژندرابٹ کو ساری کہانی سنادی اور کہا، ''آپ اپنی بیٹی کو واپس اپنے گھر لے آؤ۔'' لل کی ماں رونے لگی۔ ژندرابٹ نے کہا، ''یہ تو نصیبوں کی بات ہے۔ ٹھیک ہے میں کل سویرے وہاں آجاؤں گا۔ لل سے کہنا وہ تیار رہے۔''

پنڈت بل بھدر نے گھر لوٹ کر لل کو اُس کے باپ کا پیغام دے دیا۔

لل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی

وہ انتظار کر رہی تھی کہ رات تھوڑی اور بیت جائے اور وہ باہر نکل جائے۔ وہ اکیلی تھی چُپ چاپ نکل جانا چاہتی تھی۔ اُسے نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ واپس پاندر ٹھن نہیں جائے گی۔ اور نہ اس گھر میں رہے گی، جو دُنیا اُس کے اور شِو کے درمیان دُکھ درد بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اُسے ترک کرے گی۔ اب اُس سے یہ درد برداشت نہیں ہوتا۔ ماں کے پاس جائے گی تو یہ درد اور بھی بڑھ جائے گا۔ لوگوں کی باتیں ماں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سہہ نہیں سکے گی۔اور ماں کا دُکھ اُس سے برداشت نہیں ہوگا۔تب وہ شِو کی طرف دھیان کیسے لگا پائے گی۔وہ اُس سے اور بھی دور ہو جائیں گے۔گورو دیو نے کہا تھا شِو اُس کے اندر ہیں۔لیکن اندر کا راستہ باہر سے زیادہ مشکل اور لمبا ہے۔وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔پتہ نہیں وہ اندھیرا کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں۔

اچانک لل نے دیکھا ایک جگنو اُس کے آگے سے جا رہا ہے۔اُسے محسوس ہوا کہ جگنو کی جلتی بجھتی روشنی شو! شو! کا جاپ کر رہی ہے۔اُس کے اندر بھی شِو! شِو! کی گونج سنائی دینے لگی۔وہ گونج تیز اور بلند ہوتی گئی۔لل بے چین ہوگئی۔وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔درون کا کرب واضطراب اب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔''بس، اب۔'' اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔بے اختیار وہ بڑبڑا رہی تھی۔''اب اور نہیں اب میں رُک نہیں سکتی۔میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ کوٹھری سے باہر نکلی۔پھر آنگن میں سے ہو کر باہر کا بڑا دروازہ کھول کر دہلیز پار کر گئی۔اُس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔اُسے آگے بھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔لیکن وہ جانتی تھی جس کی تلاش میں وہ نکلی ہے وہ اُس کے اندر ہے۔اُسے وہ کہیں جانے نہیں دے گی۔

تیزی سے چلتے ہوئے گاؤں کے باہر پہنچ کر اُس نے ایک لمبی سانس لی۔کسی قید سے چھوٹنے کا احساس ہوا۔وہ پھر تیزی سے دریا کے گھاٹ کی طرف بڑھ چلی۔

کم کم روشنی میں وہ دریا کے کنارے پہنچ گئی۔گھاٹ ابھی دور تھا۔وہ چلتی رہی۔دُور سے گھاٹ پر کشتی بھی دکھائی دی۔جیسے جیسے وہ کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔اُسے خیال آ رہا تھا اُس کی جیب میں ایک کوڑی بھی نہیں ملاح پار کیسے لے جائے گا۔اُسے ہنسی آ گئی۔وہ سوچنے لگی ملاح تو ممکن ہے رحم کھا کر اُسے پار پہنچا دے لیکن شو اُسے پار کیسے لگائیں گے۔اُس نے تو ایسی کوئی کمائی نہیں کی۔

وہ کشتی کے نزدیک پہنچی تو ملاح پار جانے کی تیاری کر رہا تھا۔لل کو دیکھ کر وہ بولا،''بیٹی تم کہاں سے آئی ہو؟''

''مجھے پتہ نہیں''، لل نے جواب دیا۔

''کہاں جانا ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

ملاح سمجھ گیا پگلی ہے۔اُس نے ڈانڈ پانی میں اُتارتے ہوئے کہا،''پار جانا ہے تو بیٹھ جاؤ۔'' لل

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

جلدی سے آگے بڑھی اور اُچھل کر کشتی میں بیٹھ گئی۔ گہرے پانی میں جا کر کشتی ڈولنے لگی کیونکہ پانی میں تیزی تھی۔ آسمان پر پرندوں کی قطاریں ایسے ہی ڈولتی ہیں۔ اُسے محسوس ہوا کہ اُس کا دِل بھی ایسے ہی ڈول رہا ہے۔ پھر بھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اچھے لگ رہے تھے۔ پار جانے کی جلدی تھی۔ اُس نے ملاح کی طرف دیکھا۔ وہ ڈانڈ پانی میں سے نکال رہا تھا۔ نکال کر پھر اُس نے پانی میں ڈالی اور پانوؤں سے دھکیلنے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ لل نے اپنے جسم کے اندرونی کپڑوں کے اوپر جو پھرن (اونی چوغہ) پہن رکھا تھا، اُسے اُتارا اور چپکے سے ایک طرف پیچھے رکھ دیا۔ ملاح نے اُس طرف نہیں دیکھا۔ لل نے پار جانے کی قیمت اس طرح چکادی۔ کشتی کنارے سے لگی تو وہاں انتظار کر رہے لوگ کشتی میں بیٹھنے لگے۔ لل چپ چاپ کشتی سے اُتری اور جنگل کی طرف جاتی ہوئی پگڈنڈی پر چل دی۔

ژندرابٹ جب پدم پور پہنچے تو صبح ہو چکی تھی، لیکن دھوپ ابھی تک اوس چاٹ رہی تھی۔ ہوا میں خنکی تھی۔ کمبل اوڑھے ہوئے اُنہوں نے گلی پار کی اور پنڈت بلبھدر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ اُن کی راہ دیکھ رہے تھے۔ بے تاخیر آ کر انہوں نے کنڈی کھولی اور انہیں اندر لے جا کر کمبل پر بٹھایا۔ انہیں اپنی کانگڑی دی۔ ژندرابٹ نے کانگڑی کو کمبل کے اندر جھولی میں رکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا، ''تو آپ نے آخری بار سوچ لیا؟''

بل بھدر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ژندرابٹ نے پھر کہا۔ ''میرے خیال میں آپ کو اپنے فیصلے پر دوبارہ سوچ لینا چاہیئے۔''

بلبھدر نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا، اور وہ ژندرابٹ سے کیا کہے، کیسے کہے؟

ژندرابٹ کو تھوڑا تھوڑا عجیب سا ماحول لگنے لگا۔ کچھ غیر فطری سا محسوس ہونے لگا۔ اب اُن کی نظر دامودر اور اُس کی ماں پر پڑی جو اندھیرے کونے میں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اُن کے دل میں وسوسہ پیدا ہونے لگا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، ''لل تیار ہے نہ؟'' پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو گھبرا کر بولے، ''کیا بات ہے، آپ چپ کیوں ہیں؟ کیا ہوا، آپ بولتے کیوں نہیں؟''

پنڈت بل بھدر کو بولنا ہی پڑا۔ انہوں نے رُک رُک کر بڑی دھیمی آواز میں بتانا شروع کیا کہ لل

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

آدھی رات کو گھر سے کہیں چلی گئی ہے۔ دامودر آس پاس ہر طرف اُسے کھوج کر آیا ہے۔ وہ کہیں نہیں ملی۔ ہم تبھی سے گم سم بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر ژندرابٹ کو یوں لگا جیسے اُن کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا ہے۔ چکر سا آ گیا۔ اُن کا جی زور زور سے رونے کو چاہا لیکن انہوں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ بُت بن کر بیٹھے رہے۔ بہت دیر کے بعد وہ تھوڑا ہلے ڈلے، بولے، ''اُسے بچپن سے گھومنے پھرنے کی عادت ہے۔ میرے خیال میں وہ آ جائے گی۔''

''یہاں اُسے کوئی گھومنے پھرنے نہیں دیتا۔'' بل بھدر بولے۔

''تبھی'' ژندرابٹ نے آہ بھری۔ کانگڑی ایک طرف رکھ کر وہ کمبل سنبھالتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ''میں شام کو پھر آؤں گا اُس کا پتہ لینے۔''

وہ تینوں پشیمان ہو کر اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

گاؤں سے نکل کر ژندرابٹ کھیتوں میں پہنچے۔ ٹانگیں بھاری لگ رہی تھیں۔ چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ایک مینڈ پر بیٹھ گئے۔ لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کیا پتہ کسی طرف سے لل آتی ہوئی دکھائی دے جائے۔ کتنی خوش ہو کر وہ ''باپو! باپو!'' کہتے ہوئے بھاگتی آئے گی۔ لیکن انہیں کسی طرف سے لل آتی ہوئی دکھائی نہیں دی۔ اُن کا من رو رہا تھا۔ لیکن آنکھیں سوکھی تھیں۔ وہ وہاں سے اُٹھے اور کمزور ٹانگوں سے چل پڑے۔ پاندر ٹھن پہنچے تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ گھر کے اندر جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ پنڈتانی نے کھڑکی سے دیکھا تو بھاگ کر باہر آئی۔

''لل کہاں ہے؟''

جب اُسے پتہ چلا کہ لل بتائے بغیر کہیں چلی گئی ہے تو رونے بیٹھ گئی۔ رو رو کر بے حال ہو گئی۔ شام کو ژندرابٹ دوبارہ پدم پور پہنچے۔ پتہ چلا لل نہیں لوٹی۔ واپس گھر پہنچے۔ آدھی رات ہو گئی۔ دونوں کو پتہ نہیں چلا کہ وہ سو پائے یا نہیں۔

دو تین دنوں کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ لل کی تلاش میں جائیں گے۔ دریا کے پار بھی ڈھونڈیں گے۔

سِدھ مول یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دروازہ بند ہے اور اندر کوئی نہیں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ گلی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کے موڑ پر جو گھر تھا اُس کی دہلیز پر کھڑی ایک عورت انہی کی طرف دیکھ رہی تھی وہ اُس کے پاس جا کر پوچھنے لگے، ''اُس گھر والے کہاں گئے ہیں؟'' عورت نے جواب دیا، ''دو دن سے ہم گھر کو بند دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی کو بتا کر نہیں گئے ہیں۔ گاؤں کے سب لوگ فکر مند ہیں''

سدھ مول مندر کی طرف چل پڑے۔ وہ جانتے تھے پدم پور کا راستہ بھی اُدھر سے جاتا ہے۔

انہوں نے سوچا شاید ژندرابٹ اور اُن کی پتنی اپنی بیٹی سے ملنے گئے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ لیکن کیا پتہ۔ ساتھ ہی وہ لل سے بھی ملنا چاہتے تھے، جو کتابیں انہوں نے لل کو بھجوائیں تھیں وہ سب واپس لینی ہیں۔ اور بھی بیش قیمتی کتابیں انہوں نے اکٹھا کی ہیں۔ کشمیر میں لکھی ہوئی یہ سب نایاب کتابیں وہ کاشی پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہاں ان کتابوں کی ضرورت ہے۔ پہلے ملک کے سبھی حصوں سے لوگ ان کتابوں کو پڑھنے کیلئے یہاں آتے تھے، مستقبل میں ممکن ہے کشمیر کے لوگوں کو انہیں پڑھنے کے لئے کاشی جانا پڑے۔

لل سے ملے بنا بھی تو وہ نہیں جا سکتے۔ کتنے برس گذر گئے اُسے دیکھے ہوئے اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر انہیں سکون ملتا ہے۔ ایسی گہری نیلی آنکھیں جن میں نیل کنٹھ کی جھلک ملتی ہے۔ بھگوان بھی اپنے لئے کیسے کیسے مقام ڈھونڈتے ہیں۔

مندر کے پاس پہنچ کر اُن کا جی چاہا کہ تھوڑا آرام کر لیں۔ اب وہ زیادہ چل بھی نہیں پاتے وہ اُسی جگہ بیٹھ گئے جہاں آخری بار لل سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُنہیں اُس کی باتیں یاد آ گئیں۔ کتنی معصومیت سے کتنی گہری باتیں کرتی تھی۔ اپنے کیسے کیسے محسوسات بیان کرتی تھی۔ شو کی لیلا اُسے دکھائی دیتی ہے اِسی لئے وہ خاموش نہیں رہ سکتی۔ لوگ اُسے پگلی کہتے ہیں۔ پگلی لفظ کی یاد آتے ہی سدھ مول مسکرا دیئے۔ لل نے پوچھا تھا، ''گورودیو لوگ مجھے پاگل کیوں کہتے ہیں؟'' وہ سوچنے لگے اگر اُن کے بس میں ہوتا تو وہ بھی پاگل بن جاتے۔ لیکن ویسا پاگل بننا تو کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ ویسی تقدیر بھی تو ہونی چاہیئے۔ اور توفیق بھی۔ شو اگر مہربان ہو جائیں تو ویسا ہو سکتا ہے۔ آہ بھرتے ہوئے اُنہوں نے سوچا جو ہے، جتنا ہے، جہاں ہے، جب ہے، وہی ٹھیک ہے۔ وہی مناسب ہے۔ جو شو کی رضا وہی سر ماتھے پر۔

وہ اُٹھے اور پدم پور کی جانب چل پڑے۔

گاؤں میں داخل ہوتے ہی اُنہیں ایک لڑکا دکھائی دیا۔ اُس سے انہوں نے پانڈرتھن کی لل کے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

بارے میں پوچھا،وہ اُنہیں پنڈت بل بھدر کے دروازے پر لے گیا۔دامودر اُس وقت کہیں باہر جارہا تھا۔اُس نے گوروسِدھ مول کو پرنام کیا۔گورو جی نے اُسے اپنے بارے میں بتایا۔وہ انہیں اندر لے گیا۔چٹائی پر کمبل بچھا کر اُنہیں بٹھایا گیا۔پنڈت جی اور پنڈتانی نے بھی اُن کے سامنے ماتھا ٹیکا۔اُن کے سامنے پھل اور مٹھائی رکھے گئے ۔گورو جی کا دھیان کھانے میں نہیں تھا۔انہوں نے پوچھا،''لل کہاں ہے؟''

آہستہ آہستہ ،رُک رُک کر پنڈت بل بھدر نے لل کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔سن کر گورو جی پریشان ہوگئے ۔کافی دیر تک خاموش رہ کر وہ بڑبڑائے ،''ایسا ہی ہونا تھا،شاید ٹھیک ہوا۔''وہ تینوں گُم سم تھے۔

سِدھ مول بولے،''لل گھر بار کے جنجال میں پھنسنے والی آتما نہیں تھی۔جنگل کا پھول گھر کی کیاری میں نہیں کھلتا۔''

دامودر کی ماں نے ناراض لہجے میں کہا،''آپ اُسے پڑھاتے تھے ۔آپ نے اُس کے ماتا،پتا کو نہیں بتایا کہ اُن کی بیٹی کا سبھاو کیسا ہے؟''

گورو جی بولے،''کسی بھی ماں باپ کو اپنی اولاد کی غیر فطری باتیں نہیں دکھائی دیتیں۔اُن کے لئے وہ دوسری اولاد کی طرح ہی ہوتی ہے۔دیکھئے نہ وہ اِس وقت بھی گھر بند کر کے لل کی تلاش میں نکلے ہیں۔بڑھاپے میں کہاں کہاں بھٹک رہے ہوں گے۔وہ لل کو گھر لانے کا جتن کریں گے مگر۔۔۔''

''سب شِوشنکر کا کھیل ہے۔''بل بھدر بولے

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''سِدھ مول نے کہا۔

دامودر اپنے آپ کو روک نہیں پایا،بولا،''خود کر کے یہ کہنا کہ کرنے والا کوئی اور ہے ،میں نہیں مانتا۔''

گورو جی نے کہا،''شِو ہی انسان سے کرم کرواتے ہیں اور پھر اُسے پھل بھوگنے پر مجبور کرتے ہیں۔''

''سب شِو ہی شِو ہے۔سب شِو ہی شِو ہے۔''بل بھدر پکار اُٹھے۔

دامودر سے رہا نہیں گیا۔کہنے لگا،''اگر سب شِو ہی شِو ہے تو سب کچھ ایک ہی جیسا کیوں نہیں،لل میرے جیسی کیوں نہیں اور میں لل جیسا کیوں نہیں؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دونوں بوڑھے سوچ میں پڑ گئے۔ دامودر کے سوال کرنے میں بدتمیزی کا عنصر ضرور تھا، لیکن اُس کا سوال بے معنی نہیں تھا۔ جواب دینا ضروری تھا۔ اِس تعلق میں گورو جی نے بہت کچھ پڑھا تھا۔ بولے،

''اندرونِ خانہ سب ایک ہی ہے۔ سب کی رُوح ایک ہی ہے۔''

''اگر روح ایک ہے تو صورت ایک کیوں نہیں؟''

''شِو کی شکتی جب ظاہر ہوتی ہے تو الگ الگ صورتوں میں نظر آتی ہے۔''

''کیوں؟ یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔'' دامودر بھِد تھا۔

''پہلے یہ کل کائنات اُس جوہرِ حقیقی شِو کے اندر ایک بیج کے روپ میں موجود تھی۔ جب اُس کی نمود ہوئی تو وہ اپنی بے شمار صورتوں میں ظاہر ہوا۔ یہی اُس جوہر کا سبھاؤ ہے۔ اگر ظاہر ہو کر بھی اُس کی وہی ایک صورت رہے گی تو ظہور میں آنے کا کوئی مطلب نہیں۔ جب درخت ایک بیج کے اندر ہوتا ہے تو اُس کا ایک ہی روپ ہوتا ہے۔ لیکن پھلنے پھولنے کے بعد شاخیں، پتے، پھل پھول سب الگ الگ شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آدمی، ہر ذی روح، ہر مادّہ ایک دوسرے سے الگ اپنی شناخت رکھتا ہے۔''

''یہ سب کتابی باتیں ہیں۔'' کہتے ہوئے دامودر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جوش میں تھا، ''میں نہیں مانتا۔ اسی کارن میں نے وہ کتابیں کوڑے میں پھینک دیں جو آپ نے لل کو بھیجی تھیں۔''

''کیا؟'' سِدھ مول پریشان ہو گئے، ''کوڑے میں پھینک دیں؟'' وہ کھڑے ہو گئے، ''وہی کتابیں تو میں لینے کیلئے آیا ہوں۔''

''پچھواڑے ایک گڈھے میں پھینک آیا تھا میں اگر ابھی تک وہاں پڑی ہوں گی تو آپ لے جا سکتے ہیں۔''

سدھ مول اور دامودر پچھواڑے پہنچے۔ وہ سب کتابیں گڈھے میں موجود تھیں۔ جیسے تیسے اُنہیں اُٹھایا نکالا اور ایک گٹھری میں باندھ لیا۔

اونتی پورہ کے بڑے ناگ مندر میں جب دونوں پنڈت ژندرابٹ اور پنڈتانی پہنچے تو وہ تھک کر نڈھال ہو چکے تھے۔ پنڈتانی بڑی مشکل سے سانس لے پا رہی تھی۔ ژندرابٹ نے اُسے سہارا دے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

رکھا تھا۔ اُسے معلوم تھا اِس مندر میں جو دھرم شالہ ہے وہاں مسافروں کیلئے کافی سہولیت ہے۔

یہ یہاں کا سب سے پرانا مندر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تب کی یادگار ہے جب اِسی وادی میں ناگ نسل کے لوگ رہا کرتے تھے۔ پنڈتانی کو ایک چبوترے پر بٹھا کر ژندرابٹ نے پوچھا، ''کیا اِس وقت اس مندر میں اور کوئی نہیں رہ رہا ہے'' پجاری نے بتایا کہ مندر کے پچھلے حصے میں کچھ سادھو ہیں۔ ژندرابٹ پنڈتانی کو کوٹھری میں بٹھا کر پچھواڑے پہنچا۔ وہاں باہر چار سادھو آگ جلا کر گھیرا بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آگ کی پرچھائیاں اُن کے چہروں پر ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔ اِتنی سردی میں بھی انہوں نے کوئی گرم کپڑا نہیں اوڑھا ہوا تھا۔ اُن میں سے ایک نے کانوں میں بڑے بڑے کنڈل پہن رکھے تھے۔ سر صفاچٹ تھا۔ دوسرے نے بڑی بڑی جٹائیں پال رکھی تھیں۔ تیسرا بھگوے چولے میں چھوٹی عمر کا طالب علم لگتا تھا۔ چوتھا گہرے کالے رنگ کا کافی موٹا لگتا تھا دکنی دیش سے آیا ہے۔ سبھی کی آنکھیں چڑھی ہوئیں سُرخی مائل تھیں۔ شاید آگ کی تپش سے یا بھانگ دھتورے سے۔ ژندرابٹ کو دیکھ کر اُن کی بات چیت رُک گئی۔ اُن سبھی کو اُس کا اُس وقت وہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ ژندرابٹ اِس بات کو سمجھ گیا۔ نزدیک پہنچ کر اُس نے سب کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

''کون ہو تم؟'' کنڈل والے سادھو نے پوچھا۔

''جی میں پاندرتیٹھن گاؤں کا برہمن ہوں۔''

''یہاں کیوں چلے آئے؟''

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔''

جٹاؤں والا سادھو کرخت لہجے میں بولا، ''ہمیں کوئی بات نہیں کرنی ہم سادھو ہیں۔ تنگ مت کرو، جاؤ۔''

ژندرابٹ تذبذب میں پڑ گیا۔ کیا کرے؟

چھوٹی عمر کا سادھو جو کچھ پڑھا لکھا لگتا تھا، بولا، ''پنڈت جی آپ بُرا نہ مانیں۔ آجکل ہمیں شبہ ہوتا ہے کوئی جاسوس تو ہمارے پیچھے نہیں لگا۔ اِسی وجہ سے ہم کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتے۔''

''نہیں نہیں میں جاسوس نہیں۔ میں تو ایک مصیبت کا مارا برہمن ہوں۔ میری بیٹی اپنے سسرال والوں کے ظلموں سے تنگ آ کر کہیں چلی گئی ہے۔ وہ بچپن سے شو جی مہاراج کی بھگتی کرتی ہے۔ مجھے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لگتا ہے کہیں وہ سادھوی نہ بن گئی ہو۔ آپ نے کہیں کوئی ایسی لڑکی دیکھی ہے؟''

چاروں سادھو ایک ٹک اُسے دیکھ رہے تھے اُن کا خدشہ کمزور پڑ گیا۔ لیکن پورا یقین ابھی بھی نہیں تھا۔ ژندرابٹ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالکل اُن کے پاس آ گیا۔

''میں سچ بول رہا ہوں۔ میری گھر والی میرے ساتھ ہے۔ میں اُسے کوٹھری میں بٹھا کر آیا ہوں۔ ہم دونوں کئی دنوں سے بھٹک رہے ہیں۔ ہماری ایک ہی بیٹی ہے جب تک اُس کے دُکھ سُکھ کی خبر نہیں ملے گی ہم چین سے کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔''

چاروں سادھو ابھی بھی چُپ سادھے ہوئے تھے۔

آخر دکنی دیش کے سادھو نے پہل کی۔ شائد اُس کا دل پسیجا تھا۔ بولا، ''بہت مشکل وقت آ گیا ہے ہم سب پر۔ سادھو ہو کر بھی ڈرنے لگے ہیں ہم۔ ہم بھی اپنی جان سے پیار کرنے لگے ہیں۔''

اِس بات میں ایک طنز یا ہلکا سا الزام محسوس کر کے جٹاؤں والے سادھو نے ژندرابٹ سے پوچھا۔ ''تیری بیٹی کی عمر کتنی ہے؟''

''بیس برس تو ہو گی۔''

کچھ سوچ کر اُس سادھو نے پھر کہا، ''ندی کے پار ایک لڑکی کو میں نے دیکھا تھا بیس سے کم لگتی تھی۔''

سنتے ہی ژندرابٹ کی بجھی ہوئی آنکھوں میں ایک روشنی سی پیدا ہوئی۔ جسم میں پھرتی سی آ گئی۔

سادھو کہتا جا رہا تھا، ''اُس لڑکی کے چہرے پر اُجالا سا تھا۔ وہ سمادھی لگا کر بیٹھی تھی۔ کوئی انجان کشش تھی اُس میں۔ میں بہت دیر تک اُس کی سمت دیکھتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ وہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ وہاں سے چلا آیا۔''

ژندرابٹ کے جی میں آیا کہ وہ بھاگ کر جائے اور لل کی ماں کو بتائے کہ بیٹی کے بارے میں تھوڑا پتہ چل گیا ہے۔ مگر ابھی تو بہت کچھ پوچھنا باقی ہے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا، ''مہاراج اُس کا ماتھا چوڑا تھا، ناک لمبی طوطے کی چونچ جیسی، اور آنکھیں.....''

''کیسی بات کرتے ہو پنڈت'' سادھو ناراض ہو کر بولا، ''میں نے مانا کہ اُس کے اُجلے چہرے پر سے نظر ہٹانا مشکل تھا، مگر ہم سادھو ہیں عورتوں کی طرف زیادہ کیسے دیکھیں گے۔ پھر بھی تم نے پوچھا ہے تو اِتنا یاد آ رہا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اُس کا ماتھا چوڑا تھا، ناک لمبی طوطے کی چونچ جیسی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

،اور آنکھیں.....آنکھیں تو اُس کی بند تھیں۔''

زندرابٹ اُس کے پاؤں پر گر گیا۔''بابا جی آپ میرے لئے بھگوان بن کر آئے ہیں۔آپ نے مجھے دوبارہ زندگی دی، میری گھر والی کو بچا لیا۔بس مہاراج آپ اِتنا بتا دیجئے کہ وہ ندی کے پار کتنی دُور، کس طرف آپ کو دکھائی دی تھی۔''

سادھو سوچ سوچ کر بتانے لگا،''یہاں سے سیدھے ندی کی طرف چلے جانا۔کنارے پہنچ کر نیچے کی طرف چلنا۔ایک گھاٹ آئے گا۔کشتی میں پار پہنچنا۔پار جا کر جنگل میں داخل ہونا۔بہت دور نہیں جانا۔وہیں ایک درخت کے تنے میں گپھا تھی۔اُسی کے باہر میں نے اُسے سادھی میں بیٹھے دیکھا تھا۔''

ژندرابٹ نے سبھی سادھوؤں کو لیٹ کر پرنام کیا،اور یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے چل پڑا''مجھے مورکھ سمجھ کر معاف کرنا مہاراج میں نے آپ سب کے سکون میں خلل ڈالا۔میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

کوٹھری میں آ کر ژندرابٹ نے دیکھا پنڈتانی کمبل اوڑھ کر زمین پر سوئی پڑی ہے۔

''لل کا پتہ لگ گیا۔'' اُس نے کہا۔لیکن لل کا نام سُن کر بھی پنڈتانی بدستور لیٹی رہی تو وہ پھر بولا،''کیا سو گئی ہو؟''پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو اُس نے فکر مند ہو کر اُس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ماتھا بہت گرم تھا۔وہ سمجھ گیا کہ تیز بخار کی وجہ سے بے سُدھ ہو گئی ہے۔وہ پُجاری کے پاس پہنچا۔پُجاری نے تین پُڑیاں دیں،''ایک ابھی اور دو کل۔''پھر اُس نے کٹورا بھر گرم دودھ دیا۔ژندرابٹ نے کوٹھری میں آ کر پہلے پنڈتانی کے مُنہ پر پانی چھڑک کر اُسے ہوش میں لایا۔پھر سہارا دے کر اُسے بٹھایا۔دوا منہ میں ڈالی اور دودھ پلایا۔پھر اُس نے جٹا دھاری سادھو کی لل کے بارے میں کہی ہوئی باتیں بتائیں۔ پنڈتانی بے اختیار بولی،''یہ تو لل ہی ہے۔کیوں نہیں ہم ابھی وہاں چل پڑتے۔''

''اِس بُخار میں تم کیسے چل پاؤ گی۔تمہیں پتہ ہے ندی یہاں سے کتنی دُور ہے۔اور باہر کتنی سردی ہے یہ بھی تمہیں پتہ نہیں۔''

''اگر ہم نے دیر کی تو ہو سکتا ہے وہ کہیں اور چل دے۔''اُس نے گھبرا کر کہا۔

''گھبراؤ مت۔ہو گا وہی جو شِو شنکر چاہیں گے۔زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

پنڈتانی چپ ہو گئی۔دونوں لل کے بارے میں سوچتے رہے۔دونوں کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ژندرابٹ نہیں چاہتا تھا کہ اتنی سردی میں منہ اندھیرے نکلا جائے۔لیکن پنڈتانی کی ضد کے آگے اُس کی ایک نہیں چلی۔وہ یہ بھی نہیں سوچ رہی تھی کہ اُس کا کمزور ماندہ جسم اُس کا ساتھ دے پائے گا یا نہیں۔ابھی وہ کوس بھر ہی چلے ہوں گے کہ پنڈتانی کے پانوؤں نے ہار مان لی۔درد سے کراہتے ہوئے وہ ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور رونے لگی۔روتے روتے بڑبڑا بھی رہی تھی۔''ہائے ماں میں کیسے چلوں۔کیسے پہنچوں بیٹی کے پاس۔میری لل وہاں سے کہیں اور نہ چلی جائے۔ایسا نہیں کرنا میری بیٹی، رُکنا ہمارا انتظار کرنا۔تو ہماری جان ہے، جینے کا سہارا ہے۔تمہارے بنا ہم جی نہیں سکتے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پھر چل پڑی۔لیکن تھوڑی دور جا کر پھر بیٹھ گئی۔اپنی مجبوری پر بھی رو رہی تھی وہ۔

ژندرابٹ کو اُس پر غصہ آ رہا تھا۔وہ جانتا تھا اُس کا کوئی قصور نہیں۔اُس سے ہمدردی بھی تھی۔رحم بھی آ رہا تھا۔اُس نے اُس کے منہ میں کچھ بھونے ہوئے چاول ڈالے اور لوٹے سے دو گھونٹ پانی بھی پلایا۔تبھی دھوپ نکل آئی۔ماحول میں تھوڑی گرمی آئی تو پنڈتانی پھر چل پڑی۔اُس کا دل اُس سے کئی قدم آگے چل رہا تھا۔ژندرابٹ نے نہ صرف اُسے سہارا دے رکھا تھا، بلکہ اُس کا بھار بھی اپنے اوپر لے رکھا تھا۔کوس بھر چل کر پھر دم لینا پڑا۔تھوڑی دیر بعد پھر چل دیئے۔اس طرح چلتے چلتے وہ دوپہر تک ندی کے کنارے پہنچ گئے۔

دھوپ میں تپش بڑھ رہی تھی۔لیکن ندی کو چھو کر آتی ہوئی ہوا بہت ٹھنڈی تھی۔پار کا جنگل دیکھ کر دونوں کو لل کی یاد تڑپانے لگی تھی۔وہ جلدی سے جلدی وہاں پہنچنا چاہتے تھے۔لیکن گھاٹ ابھی اور آگے تھا جہاں کشتی چلتی تھی۔تھوڑا دم لے کر وہ پھر چلنے لگے۔اب اُن کے چلنے میں تھوڑی تیزی آ گئی تھی۔

گھاٹ پر آ کر وہ سیدھے کشتی میں جا بیٹھے۔ملاح نے کہا،''اگر آپ کو جلدی ہے تو میں کسی اور سواری کا انتظار نہیں کرتا۔''

''ہاں بھائی ہمیں بہت جلدی ہے۔'' ژندرابٹ نے کہا۔

ملاح ڈانڈ کو پانی میں اُتارنے لگا۔

جہاں پنڈتانی بیٹھی تھی وہاں پاس ہی نیچے وہ ''پھرن'' پڑا تھا جو لل وہاں چھوڑ گئی تھی اُسے دیکھ کر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔اُس نے ملاح سے پوچھا،''یہ کس کا کچھ رہ گیا ہے؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''رہ نہیں گیا۔ پار جانے والی اِسے خود یہاں چھوڑ گئی ہے۔''

''کیوں؟'' ژندرابٹ نے بھی ''پھرن'' کو دیکھ لیا۔

''اُس کے پاس مجھے دینے کیلئے چار کوڑیاں بھی نہیں تھیں۔ بدلے میں وہ اِسے اُتار کر چھوڑ گئی۔''

''کون تھی وہ؟''

''کسی اچھے گھر کی بہو بیٹی لگتی تھی۔ تبھی مجھے بتائے بغیر یہ پھرن چھوڑ گئی۔ اگر میں دیکھ لیتا تو ایسا نہ کرنے دیتا۔ مگر.....اونچے گھر کی خصلت تھی اُس میں ورنہ کون چار کوڑیوں کے بدلے میں اِتنا بڑھیا پھرن چھوڑ کر جاتا ہے۔''

''یہ ہماری لل ہی تھی۔'' پنڈتانی نے روآنسی آواز میں کہا۔ وہ رونے لگی۔ اُس نے پھرن اُٹھالیا۔ ژندرابٹ نے پوچھا، ''یہ کب کی بات ہے؟''

''کوئی چھ سات دِن ہو گئے۔''

''اُس کا ماتھا چوڑا تھا؟''

''ناک لمبی تھی طوطے کی چونچ جیسی؟'' پنڈتانی نے پوچھا۔

''ہاں جی۔ اُس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔''

پھرن کو چھاتی سے لگائے پنڈتانی روتی جا رہی تھی۔

پانی میں ڈانڈ اُتارتا ہُوا ملاح رُک گیا۔

ژندرابٹ نے روتی ہوئی آواز میں کہا، ''وہ ہماری بیٹی ہے۔ ہم اُسے ہی تلاش کر رہے ہیں۔''

پنڈتانی اب پھرن میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ دیکھ کر ملاح کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ وہ بتانے لگا، ''میں نے اُس سے پوچھا تم کہاں سے آئی ہو۔ بولی پتہ نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہاں جانا ہے، بولی پتہ نہیں۔''

کشتی کنارے سے ٹکرائی۔ ژندرابٹ نے پنڈتانی کو اُٹھایا۔ اُسے کشتی سے اُتارا۔ وہ بدستور روئے جا رہی تھی۔ وہ پھرن کو چھوڑ نہیں رہی تھی۔ ژندرابٹ نے ملاح کو پھرن کی قیمت دینی چاہی اُس نے نہیں لی۔ ژندرابٹ نے اپنے کرائے کی کوڑیاں دیتے ہوئے چار کوڑیاں لل کے نام سے بھی دیں۔ ملاح نہیں لے رہا تھا لیکن اُن کا دل رکھنے کیلئے لے لیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سارا دن جنگل جنگل بھٹک کر بھی لل کا پتہ نہیں لگا۔ دونوں تھکان سے چُور چُور ہو گئے۔ پنڈتانی کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ شام ڈھلی۔ دونوں ایک پیڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ کچھ سُوکھا میوا تھا جسے دونوں نے کھا کر دو دو گھونٹ پانی پی لیا۔ پنڈتانی نے کمبل کے ساتھ لل کا پھرن بھی جوڑ لیا اور لیٹ گئی۔ جنگل اندھیرے میں ڈوبا تو ژندرابٹ بھی لیٹ گیا۔

رات کو سوئے سوئے ژندرابٹ کو لگا کہ اُس کے اوپر کچھ وزن جیسا آ پڑا ہے۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے کمبل میں سے مُنہ نکال کر دیکھا خرگوش جیسا کچھ تھا۔ جو اُس کی ہلچل سے پھلانگتا ہوا بھاگ گیا۔ اُس نے پھر منہ پر کمبل لے لیا۔ ایسی رات بھی کبھی کاٹنی پڑے گی کب سوچا تھا۔ خود سے زیادہ فکر اُسے بیوی کی تھی۔ اگر لل نہیں ملی تو اُس کا جینا مشکل ہو جائے گا۔

چڑیوں کی چُوں چُوں نے مُنہ اندھیرے جگا دیا۔ دونوں اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ فیصلہ کیا کہ سورج نکلتے ہی گھر کی طرف چل پڑیں گے۔ اُسی وقت سُوکھے پتوں پر کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ دونوں چونکے۔ آواز لگاتار آ رہی تھی۔ آس پاس کوئی ہے۔ ژندرابٹ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ جس پیڑ کے نیچے وہ ہیں اُس کی پچھلی طرف سے آہٹ آ رہی ہے۔ وہ پیچھے کی جانب گیا۔ وہاں کچھ گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔ اُسی کے پیچھے کوئی چل رہا تھا۔ روشنی کم تھی وہ اور آگے بڑھا غور سے دیکھا وہ لل ہی تھی۔ شائید ندی کی طرف جا رہی تھی۔ اُس نے پکارا، ''لل! لل تم ہو؟''

لل کھڑی ہو گئی۔ اُس نے ژندرابٹ کو دیکھا۔ ''بابو!'' کہہ کر بھاگتی ہوئی آئی اور اُس کے گلے لگ گئی۔ ''میری بیٹی'' ژندرابٹ نے اُسے پیار کرتے ہوئے کہا ''ماں تو ٹھیک ہے نہ؟'' لل نے پوچھا۔ ''وہ بھی یہیں ہے اُس طرف۔'' ژندرابٹ نے کہا۔

اُن کی آوازیں سُن کر پنڈتانی بھی اُسی طرف آ رہی تھی۔ لل بھاگ کر آئی۔ ماں نے اُسے چھاتی سے لگا لیا۔ پیار کرتے کرتے وہ رونے لگی۔ لل کی آنکھیں بھی بھر گئیں۔

''یہ کیا حال بنا لیا تو نے میری لاڈلی؟ نہ کنگھی نہ چٹی۔ میلے کپڑے، ننگے پاؤں۔ بیٹی تمہیں اِس لئے تو جنم نہیں دیا تھا؟'' لل بھی رو رہی تھی لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ وہ انہیں وہاں لے آئی جہاں وہ ایک پیڑ کے کھوکھلے تنے میں رہتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''تجھے یہاں رہنے کی کیا پڑی ہے؟ تیرا گھر نہیں کیا؟''

''ماں وہاں سے تو آپ نے مجھے وداع کر دیا۔اب وہ میرا گھر کیسے ہوا؟''لل کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔دلیل تھی۔

''ہمارے لئے تو تُو ہی ایک ہے اور دوسرا کون ہے؟''

''ماں۔میرے لئے اب شِو کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

ژندرابٹ نے کہا،''بیٹی ہم کتنے دنوں سے تمہاری تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔کہاں کہاں نہیں پہنچے۔ناگ مندر میں ایک سادھو نے بتایا کہ تم ندی کے پار یہیں کہیں ہو۔بھلا ہو اُس کا چل بیٹی اب گھر چل ہم تمہارے بنا نہیں رہ سکتے۔ہمارا ہونا جینا اب تمہارے ساتھ ہے۔''پنڈتانی روتے روتے بولی،''میں اپنی آنکھوں سے تمہاری زندگی اس طرح برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی''۔

لل آنکھیں پونچھتے ہوئے ہنس پڑی بولی،''ماں میں زندگی برباد نہیں کر رہی۔اُسے سنوار رہی ہوں''۔''کیا سنوار رہی ہو۔''ماں غُصے سے بولی،''اِس جنگل میں اکیلی،پیڑ کی گپھا میں گھر بنا کر؟تم خود دکھ سہہ کر ہمیں بھی دکھی کر رہی ہو۔''

ژندرابٹ بھی چپ نہیں رہ سکا۔''بیٹی اب ہم میں اور دکھ سہنے کی سکت نہیں۔اپنی ماں کا سوچ۔تمہارے بنا اب وہ جی نہیں سکے گی۔تو گھر چل۔وہاں جو جی میں آئے کرنا۔ہم تمہیں کسی بات سے منع نہیں کریں گے۔''

''باپو آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے لیکن دوسرے لوگ تو باتیں بنائیں گے۔لوگ اُسے برداشت کرتے ہیں جو اُن جیسا بن کر رہے۔اُن کی باتیں سُن سُن کر آپ دکھی ہو جائیں گے۔ماں تمہارے دکھ کا ایک ہی علاج ہے آپ یہ سوچئے کہ آپ نے مجھے بیاہ کر بھیج دیا ہے۔وِداع کر دیا ہے۔آپ کا جو فرض تھا آپ نے پورا کر دیا۔اب میری قسمت میں جو ہے وہ ہے۔آپ نے تو اپنی طرف سے مجھے اچھے گھر میں ہی بھیجا تھا۔''

''وہ پاپی لوگ..... ہمیں کیا پتہ تھا اُن کا۔مروں کا کچھ نہ رہے۔میری نازک معصوم بیٹی کی زندگی برباد کر دی۔''

''نہیں نہیں اِس میں کسی کا کوئی دوش نہیں۔مجھ میں ہی اُس گھر میں رہنے لائق گُن نہیں تھے۔پر

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

میں بھی کیا کروں؟''لل کچھ دیر تک چپ رہی پھر بولی،''باپو اِس میں میرا بھی کیا قصور گورو دیو نے ایک بار کہا تھا ہم اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آتے۔ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ جب آپ نے مجھے جنم دیا کیا آپ کو پتہ تھا آپ کے گھر میں لڑکی پیدا ہوگی؟ میری جگہ کوئی لڑکا بھی پیدا ہوسکتا تھا۔ ایک ندی میں جیسے لہریں اُٹھتی ہیں اور پھر اُسی میں سما جاتی ہیں ویسے ہی ہم پیدا ہوتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ کسی کو بھی دوش دینا بے کار ہے۔''

''تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ تو چل، گھر میں رہ کر جو چاہے کرنا۔ اپنی مرضی سے سونا، اپنی مرضی سے جاگنا۔''

''نہیں ماں۔ گھر گھر ہی ہوتا ہے۔ گھر کی دیواروں کے اپنے اُصول ہوتے ہیں۔ انہیں توڑ تو دکھ بڑھتا ہے۔ میں اب دوبارہ اُن جنجالوں میں نہیں پڑوں گی''۔

''لوگ کہتے ہیں دنیا میں رہ کر بھی بے لاگ، بے تعلق رہا جاسکتا ہے'' ژندرابٹ کی دلیل وزن دار تھی۔ لیکن لل نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی،''مجھے دنیا بھی تو نہیں ملی باپو۔ شِوشنکر اگر چاہتے تو مجھے دے سکتے تھے۔ میں یہاں تک پہنچی، یہ اُنہی کی مرضی سے۔''لل کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

''شائد تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' ژندرابٹ نے کہا،'' پر بیٹی تو اتنا تو سوچ کیا ایک اکیلی لڑکی بنا کسی سہارے کے اِن جنگلوں میں رہ سکتی ہے؟۔

''ہر جگہ پر ہر آدمی اکیلا ہی ہے باپو۔ ہر آدمی کے اندر رہنے والا شِو بھی اکیلا ہی ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ڈر؟''

''پتہ نہیں تم نے اِتنی باتیں کہاں سے سیکھ لیں'' ماں کی آواز میں مجبوری اور دکھ کی جھلک تھی۔ لل نے جواب دیا،''شِو نے ہی مجھے یہ باتیں سکھائی ہیں پر ابھی مجھے اچھی طرح سیکھنا نہیں آیا۔ بہت سی باتیں رئے رٹائے ڈھنگ سے بول رہی ہوں۔ ابھی وہ میرے ہاتھ میں نہیں آیا۔ پر میں اُس کے ہاتھ میں ہوں، اتنا مجھے پتہ ہے۔ باپو آپ ماں کو لے کر جاؤ۔ مجھے شِو کے آسرے رہنے دو۔''

''بیٹی تو جو کچھ کہہ رہی ہے کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ ہم اِسے مانیں بھی کیسے؟ تمہیں یہاں اکیلے چھوڑ کر جانا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ یہاں چور، ڈاکو لٹیرے.....''

''مجھے کسی باہر کے چور کا ڈر نہیں۔ مجھے جس کا ڈر ہے وہ میرے اندر ہے۔ میں نے اُسے باندھ کر

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

رکھا ہے، تا کہ وہ میری دولت چرا کر نہ لے جائے۔"

"تم کس چور کی بات کر رہی ہو؟" ٹھندرا بٹ نے پوچھا۔

"اُسے قابو میں نہ رکھو تو بربادی ہو جاتی ہے۔ وہ دل کے سکون کا دشمن ہے۔ اُسے پہچاننا بہت ضروری ہے"۔

ماتا۔ پتا دونوں کو سوجھ نہیں رہا تھا کہ وہ اُسے کیسے سمجھائیں۔ سمجھا تو وہ رہی ہے اُن کو اُلٹی سیدھی باتیں کر کے بیچ گھمار ہی ہے۔ ایسی بیٹی کسی کی قسمت میں نہ ہو۔ پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی۔ گورو سِدھ مول اِس کے بارے میں کچھ ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ نہ اُن کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں نہ اِس کی۔ ہماری ہی عقل کا قصور ہے۔ لیکن ہم بھی کیا کریں۔ بھگوان نے جو سمجھ ہمیں دی ہے وہ اُسے نہیں دی، جو اُسے دی ہے وہ ہمیں نہیں دی ساجھی سمجھ کی کمی ہے۔ کیا کیا جائے؟

آخر لل کے بہت سمجھانے پر وہ واپس جانے پر تیار ہو گئے۔ لل نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ وہ کبھی کبھار گھر آیا کرے گی۔ بھاری من سے دونوں چل پڑے۔ دونوں رو رہے تھے۔ دونوں کو لگ رہا تھا کہ ایک روز جس طرح اُنہوں نے لل کو گھر سے وداع کیا تھا، آج لل ویسے ہی اُن کو رُخصت کر رہی ہے۔ وہ اُنہیں ندی تک چھوڑنے آئی۔ وہ لگاتار باتیں کر رہی تھی، اُن کا دکھ کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ماں میں تمہاری گود میں کپاس کی کلی کی طرح پیدا ہوئی اور پلی بڑھی۔ کلی میں کپاس پھُول کی طرح باہر آتی ہے۔ لیکن اُسے کتنی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ دُھنیا اُس کا ریشہ ریشہ دُھنتا ہے۔ پھر چرخے میں اُس کی کھنچائی ہوتی ہے۔ اُس کے بعد کپڑا بُنتے ہوئے اُسے کسا اور کاٹا جاتا ہے۔ تب کتنی بار سوئی کی چبھن برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کپڑے کی میل نکالنے کے لئے..... ماں ماں اُدھر دیکھو اُدھر....."

ماتا۔ پتا دونوں اپنے دکھ میں ڈوبے ہوئے چونکے بھری ہوئی آنکھوں سے اُنہوں نے اُدھر دیکھا جس طرف لل اِشارہ کر رہی تھی۔ اُنہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

"وہ دھوبی نہیں دِکھ رہا؟" لل نے پوچھا۔

دور ندی کے کنارے ایک دھوبی کپڑوں کو زور زور سے پتھر پر پٹک رہا تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ لل اُن کو کیا دکھانا چاہتی ہے۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور پھر لل کی طرف لل

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

مسکراتے ہوئے بولی، ''ماں کپاس کی کلی جو تمہاری گود میں کھلی تھی وہ کیسی کیسی آزمائشوں کے بعد دھوبی کے ہاتھ لگی ہے۔ وہ اُسے پتھر پر پٹکا رہا ہے۔ لیکن وہ.....وہ.....دیکھو دیکھو'' دونوں نے پھر اُدھر دیکھا۔ دھوبی اب کپڑے کو پانی میں کھنگال رہا تھا۔ لل کہہ رہی تھی ''دیکھو کپڑے کی میل کیسے نکلی۔ میں بھی اسی طرح صاف شفاف ہو کر نکل جاؤں گی۔ باپو آپ میری فکر نہ کریں۔ میں جس دھوبی کے ہاتھ میں آ گئی ہوں وہ اِس وقت تو مجھے پٹکا رہا ہے لیکن میل بھی ضرور نکالے گا۔ اُس کے پاس ہُنر ہے مجھے اُس پر پورا بھروسہ ہے۔''

دونوں درد و غم کے اتنے گہرے پانی میں ڈوبے تھے کہ وہ کوئی بھی بات سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ لل کی طرف دیکھے جا رہے تھے اور روتے جا رہے تھے۔ وہ کنارے پر کشتی کے پاس پہنچے تو ماں پھپھک پھپھک کر رو پڑی۔ لل کی آنکھیں بھری تھیں لیکن وہ مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں کے گلے لگی۔

ملاح سمجھ گیا کہ بیٹی ماں باپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔

ماں نے لل کو اُس کا پھرن'' دیتے ہوئے کہا'' اِسے رکھ لو، ٹھنڈ میں کام آئے گا۔ ہم نے کشتی والے کو پار جانے کی کوڑیاں دے دی ہیں''۔

لل مسکرا کر بولی، ''اب میں اِسے نہیں پہنوں گی ماں۔ ابھی تو مجھے بہت سے پھرن اُتارنے ہیں''

ژندرابٹ نے پھرن اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ اور پنڈتانی کو سہارا دے کر کشتی میں بٹھانے لگا۔ پنڈتانی کی سسکیاں اُونچی ہو رہی تھیں۔

ملاح لل کی مسکان دیکھ کر حیران تھا۔ اُس نے پانی میں ڈانڈ اُتاری اور کشتی کو ٹھیلا۔ کشتی کنارا چھوڑ کر تیرنے لگی۔ ماتا پتا بیٹی کو دُور دُور ہوتے دیکھ رو رہے تھے۔ بیٹی بے حرکت، مستحکم تنِ تنہا کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ماں باپ کو رُخصت کر کے لل جونہی جنگل میں اپنی جگہ پہنچی وہ پھپھک پھپھک کر رونے لگی۔ اُس کے رونے کی آواز اونچی ہوتی چلی گئی۔ سارے جنگل میں اُس کا رونا گونج رہا تھا۔ گھنے گھنیرے درخت دم بخود تھے جیسے اندر ہی اندر وہ بھی رو رہے ہوں۔

بہت دیر کے بعد رونا کم ہوا۔ آنسو سوکھنے لگے۔ اُس نے تر بتر گالوں کو پونچھ دیا۔ من ہلکا لگنے لگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اُسے محسوس ہونے لگا آنسوؤں کے مانند اُس کے ماں باپ بھی اُس کی زندگی سے نکل گئے۔ اب کہیں کچھ نہیں تھا۔ صرف ایک خلا تھا اندر بھی باہر بھی۔

دیر تک اُس کی آنکھیں بند رہیں۔ پھر ہلکے سے ہونٹ کانپے جیسے نوزائید پتے کانپتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مُنہ سے بے اختیار الفاظ ظہور میں آنے لگے۔ میں کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں؟ آگے کون سے راستے پر جانا ہے۔ کون مجھے سیدھا سچا راستہ دکھلائے گا۔ اِس زندگی کا، اِن سانسوں کا کیا بھروسہ؟ آخر یہ سب سوچتے سوچتے وہ گانے لگی

آئی کس سمت سے کس راہ سے؟
جانا ہے کس جانب نہیں پتہ
کوئی بتائے سیدھا سچا رستہ
اِن سانسوں کا نہیں ہے کوئی بھروسہ

بہت دیر بعد جب اُس کی آنکھیں کھُلیں وہ تب بھی یہی بول زیرلب گنگُنا رہی تھی چاروں اطراف ویسا ہی سناٹا تھا۔ لیکن اُس کا من ہلکا تھا۔ وہ جان گئی جو گیت اُس نے گڑھا ہے وہ ''واکھ'' ہے۔ گوروسِدھ مول بھی واکھ گڑھتے تھے۔ اُنہوں نے ایک بار اُس سے کہا تھا کشمیری میں واکھ گڑھا کر۔ آج اُس نے گورو جی کے حکم کو پورا کیا ہے۔ دل میں جو بادل اُمڈ کر اکٹھا ہوئے تھے برس گئے۔ اُسے اپنے شوشمبھو سے بات کرنے کا نیا راستہ مِل گیا ہے۔ اب وہ دُعا بھی کرے گی تو گیت گا کر۔ شکوہ شکایت، حمد سب گیتوں میں گائے گی۔ اپنی اِس اختراع پر وہ مسحور تھی۔ خوش تھی۔ پھر گنگنانے لگی۔ ''آئی کس سمت سے، کس راہ سے، جانا ہے کس جانب نہیں پتہ۔'' اُسے محسوس ہوا جنگل کے سبھی پیڑ اُس کے ساتھ ساتھ گا رہے ہیں۔ جھاڑیاں مسرّت سے جھوم جھوم کر وہی واکھ گا رہی ہیں۔ پرندے بھی سُر میں سُر ملا رہے ہیں۔ چاروں اطراف واکھ کی دُھن گونج رہی تھی۔ رات کو جب وہ درخت کے تنے کے اندر سکڑ سمٹ کر لیٹی تھی تو اُس کے کانوں میں بول گونجے۔ کوئی بتائے سیدھا سچا رستہ۔ اِن سانسوں کا نہیں ہے کوئی بھروسہ۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ حیران تھی۔ کون گا رہا تھا اِس وقت؟ وہ تنے کی گُپھا سے باہر آ گئی۔ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ واکھ کے سُر بھی جنگل کی تاریکی میں تحلیل ہو گئے تھے۔ اُس سناٹے میں اچانک ایک پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دی۔ پرندہ دُور نکل گیا۔ لیکن اندھیرا کانپ اُٹھا۔ لل سوچنے لگی کیا وہ پرندہ ہی واکھ گا رہا تھا،

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

وہ اپنی اِس سوچ پر خود ہی مسکرانے لگی۔ ''میں تو پاگل ہوں'' اُس کے منہ سے نکلا۔ اُس کا جی نہیں چاہا کہ وہ واپس درخت کی گپھا میں جا کر سو جائے۔ وہ تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اُس کی نظر اندھیرے کو چیر کر کہیں پار جا رہی تھی۔ کہاں جا رہی تھی، یہ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اُس نے ٹھیک سے بیٹھنے کا جتن کیا۔ اُس نے پالتھی مار لی۔ اُسے گورو جی کی یاد آئی۔ آج وہ ضرور خوش ہو رہے ہوں گے۔ کیونکہ آج اُس نے واکھ گڑھا ہے۔ اُسے محسوس ہوا کہ گورو جی اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دے رہے ہیں۔ خود بخود اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ سمادھی میں چلی گئی۔

اب لل زیادہ تر رات کو سمادھی لگا لیتی یا جاگتی رہتی۔ صبح ہوتی تو سو جاتی۔ دوپہر کو پھر جاگتی اور جنگل میں گھومتی رہتی۔ وہ درختوں کو پہچاننے لگی تھی۔ بہت سے پرندے اور جانور اُس کے دوست بن گئے تھے۔ ایک بارہ سنگھا سامنے آ کر اُسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگتا۔ لل بھی اُسے دیکھ کر خوش ہوتی۔ خونخوار جانور اُسے دیکھ کر دُور سے نکل جاتے۔

جس درخت کے تنے میں وہ رہتی تھی اُسکے باہر اُس نے کٹیا جیسی بنا لی۔ کچھ چڑیوں نے اُس کے اندر گھونسلے بنا لئے۔ لل کو اُن کے چہچہے بہت بھاتے۔ کبھی کبھی جب بارش ہو رہی ہوتی تو ہرنوں کا ایک جوڑا اندر چلا آتا۔ لل وہاں ہوتی یا نہیں وہ کٹیا سب کی تھی۔

سمادھی میں اُسے سہارا ملتا۔ سانسیں مساوی چلنے لگتیں۔ لہو کے تسلسل میں نوری کا احساس ہوتا۔ لیکن اُس نوری میں شو جی کی نارسائی کا غم بھی تھا۔ وہ چاہتی تھی وہ شو کی شکتی کو محسوس کرے۔ وہ شو اور شکتی کو ایک ساتھ.....محوِ اتصال دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اُسے احساس تھا کہ اُس کی ریاضت میں کمی ہے۔ اور وہ وہاں تک نہیں پہنچی ہے۔ اُس نے پڑھا تھا کہ کل کائنات شو میں ڈوبی ہے اور دنیا میں جتنی شکلیں، صورتیں اور تخلیقات ہیں اُس کی شکتی کے مظاہر ہیں۔ یہ ساری باتیں وہ جانتی ہے لیکن اُس کے حواس نے اِن کو نہیں جانا ہے۔ اس احساس سے وہ ایک نہیں ہوئی ہے۔ کبھی کبھی یہ احساس اُسے چھوتا ہے ایک لمحے کے لئے لیکن وہ لمحہ یوں آتا ہے جیسے بجلی کا کوندا، جیسے بھاگتا ہوا ہرن ایک لمحے میں غائب ہو جاتا ہے۔ اس طرح شو اور شکتی کے اتصال کا احساس زیادہ وقت تک قائم نہیں رہتا۔ لیکن جب بھی وہ جھلک دکھائی دیتی ہے لل مضطرب ہو جاتی ہے۔ درد کی شدت دل کو چیرنے لگتی ہے۔ وہ کراہنے لگتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اپنی لاچاری اپنی بے مائیگی پر رونا آجاتا۔ وہ بڑبڑانے لگتی.....

آئی کس سمت سے کس راہ سے
جانا ہے کس جانب نہیں پتہ
کوئی بتائے سیدھا سچا راستہ
اِن سانسوں کا نہیں ہے کوئی بھروسہ

ایک روز جب وہ یہ بول گنگنا رہی تھی اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس وقت اُس کا روآں روآں گا رہا تھا۔ اُسے لگا کہ کُٹیا بھی گا رہی ہے۔ جنگل بھی گا رہا ہے۔ ہوا بھی گا رہی ہے۔ پھر جب سب چُپ ہوگئے تو وہ بھی چُپ ہوگئی۔ اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔

اُس نے دیکھا اُس کے سامنے وہی ملاح بیٹھا ہے۔ اُس کے ساتھ اُسکی بیوی بھی ہے۔ اُن دونوں نے جب دیکھا کہ لل کی آنکھیں کھل گئی ہیں تو انہوں نے زمین پر لیٹ کر پرنام کیا۔ ملاح نے کہا، ''یہ میری گھر والی ہے۔ آپ کا آشیرواد لینے آئی ہے۔''

''میرا آشیرواد؟'' لل نے معصومیت سے حیران ہوکر کہا، ''میں کون ہوتی ہوں کسی کو آشیرواد دینے والی؟''

''آپ کے درشن بھی ہمارے لئے آشیرواد ہیں۔''

''نہیں، نہیں یہ بات ٹھیک نہیں۔''

''آپ کو سچّی سادھوی مان کر ہم یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں نہیں آپ بھول کر رہے ہیں۔ میں تو شِو کی بھگتی میں اپنا دل لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں رو رو کر انہیں مناتی ہوں۔ لیکن وہ میری طرف دیکھتے بھی نہیں۔ اصل میں میں بھولی بھٹکی گائے کی طرح اپنا گھر ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''یہ دا کھ جو آپ گا رہی تھیں، آپ نے گڑھا ہے؟''

''پتہ نہیں یہ کیسے ہونٹوں سے پھُوٹا ہے۔''

''کتنی سچی بات ہے۔ اِن سانسوں کا نہیں ہے کوئی بھروسہ۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل نے کہا: ''اِس سے پہلے کہ یہ سانسیں ہمیں چھوڑ جائیں۔ شِو کے درشن ہونے چاہئیں۔ تبھی یہ زندگی جینے کا کچھ مطلب ہے۔''

''ہمیں تو کوئی اُمید نہیں ہم تو دُنیاداری کی چکّی میں پس رہے ہیں۔''

''دُنیا کی چکّی بھی شِو سے الگ نہیں۔ تبھی تو سب سانس لے رہے ہیں۔''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں۔'' ملاّح نے کہا، اُس کی بیوی بولی: ''ہم آپ کے کھانے کے لئے کچھ لائے ہیں۔ یہ ضرور کھالینا۔''

لل نے کہا: ''میں جنگلی پھلوں کے علاوہ کچھ نہیں کھاتی۔ پھر بھی آپ لائے ہیں تو میں کھالوں گی۔''

جب وہ لوگ جانے لگے تو ملاّح نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ''آپ ہمیں آشیرواد دو کہ ہمارے یہاں بیٹا پیدا ہو۔''

لل نے کہا: ''شِو شنکر کو یاد کرو۔ جو وہ چاہیں گے وہی ہوگا۔''

دونوں لل کو پرنام کر کے چلے گئے۔

شِو راتری کا تہوار۔ جگہ جگہ میلوں کی دھوم بڑا میلہ اونتی پورا میں۔ دور پار سے لوگ وہاں پہنچ رہے ہیں۔ کشتی میں بھر بھر کر لوگ دونوں گھاٹوں پر آ جا رہے ہیں۔ ملاّح کو دم لینے کی فرصت نہیں۔ اِس وقت بھی پندرہ بیس لوگ بیٹھے ہیں۔ تین چار کٹھ پتلیوں کا تماشا کرنے والے، دو تین ناچنے والی لڑکیاں، اُن کے ساتھ ڈھول، گھڑا بانسری بجانے والے بھی۔ دو کمہار ملاّح کے پیروں کے پاس بیٹھے ہیں۔ مٹّی کے برتن اور کھلونے بیچنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ دو سادھو بھی ایک طرف بیٹھے ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکا جیسا ہی ہے نوعمر بنا داڑھی مونچھ کے۔ ملاّح نے ڈانڈ پانی میں اُتاری اور کشتی کو ٹھیلا۔ اور متوالے پن سے بہت ہی میٹھے سروں میں گانے لگا۔

آئی کس سمت سے کس راہ سے
جانا ہے کس جانب نہیں پتہ
کوئی بتائے سیدھا سچا رستہ
اِن سانسوں کا کوئی نہیں بھروسہ

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پار جانے والے سبھی لوگوں کا دھیان انہی بولوں کی طرف کھینچ گیا۔ پار جانے کیلئے سب ندی کے بیچ میں تھے۔ گیت موقع محل کے مطابق تھا۔ دُھن بھی سُریلی تھی۔ ملاح کی آواز میں کشش تھی۔ جیسے کشتی پانی میں ڈول رہی تھی ویسے ہی گیت کے بول ہوا میں تیر رہے تھے۔ اور سب کے دلوں میں زعفران کی خوشبو کی مانند رچ بس رہے تھے۔ سبھی سُر میں سُر ملانا چاہ رہے تھے۔

کشتی کنارے سے لگی۔ ملاح نے گانا بند کر دیا۔ باری باری سب اُترنے لگے۔ نوعمر سادھو نے اُترنے سے پہلے ملاح سے پوچھا، ''یہ جو آپ گا رہے تھے یہ گیت آپ نے رچا ہے؟''

''نہیں یہ لل کا واکھ ہے۔''

''کون لل؟''

''ایک جوگن۔ اُس بن میں اُس کی کُٹیا ہے۔''

نوعمر سادھو آگے بڑھ گیا۔ چلتے چلتے اُس نے وہ واکھ گانا شروع کر دیا۔

اُس نے سب مسافروں کا دھیان اپنی طرف کھینچ لیا۔ ناچنے والی لڑکیاں بھی اُس کے ساتھ گانے لگیں۔

ایسے ہی بہت دنوں تک ملاح مسافروں کو لل کا واکھ بتاتا رہا اور لل کا نام بھی بتاتا رہا۔ واکھ کے بول پرندوں کی طرح اُڑ کر دُور دُور تک چلے گئے۔

ملاح کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اُسے اور اُسکی بیوی کا پکا یقین تھا کہ لل کے آشیرواد سے ہی اُن کے دل کی مراد پوری ہوئی ہے۔

وہ نوزائیدہ بچے کو لیکر لل کی کُٹیا کے باہر پہنچے۔ اندر سے لل کے گانے کی آواز سنائی دے رہے تھی.....

ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی میں لل
جتن کیا جتنا مجھ میں بل
چاہ بڑھی دربند جو دیکھا
ٹوہ لگا کر بیٹھ گئی لل

دونوں باہر کھڑے کھڑے واکھ سنتے رہے۔ کئی بار سُنا۔ بول اور دھن دونوں جادو سے بھرے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ہوئے تھے۔آواز میں ایسا سُر یلا پن کہ اُدھر سے دھیان ہی نہیں ہٹتا تھا۔بچہ بھی ماں کے سینے سے لگا اُسی دھن میں ڈوبا تھا۔سُر تھمے تو جیسے کائنات تھم گئی۔بچہ ہلنے ڈُلنے لگا۔ملّاح اور اُسکی بیوی بھی گویا ہوش میں آئے۔وہ کُٹیا کے اندر چلے گئے۔اِرادت سے لائے ہوئے تحائف اُنہوں نے ایک طرف رکھے اور بچے کو لل کے پاؤں میں چھوڑ دیا۔پھر پرنام کیا۔

لل نے بچے کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

ملّاح نے ہاتھ جوڑ کر کہا،''آپ کے آشیرواد سے ہماری مراد پوری ہوئی ہے۔''

لل نے کہا،''میرے آشیرواد سے نہیں،شِوشمبھو کی مرضی سے سب کچھ ہوتا ہے۔''

''اُن کی مرضی سے آپ نے آشیرواد دیا۔''

لل ہنس پڑی۔بولی،''مجھے درشن نہیں ہوتے اور آپ کو میرے اندر اُن کے درشن ہوتے ہیں۔''

''ہمارے لئے آپ ہی ذریعہ ہیں۔''

''سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔''

''سبھی لوگ آج آپ کا وہ واکھ گا رہے ہیں۔۔''آئی کس سمت سے کس راہ سے۔''اور آج میں نے یہ واکھ بھی یاد کرلیا ہے۔''ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔''میں کشتی میں بیٹھ کر آپ کے واکھ گاتا رہتا ہوں اور لوگ اُنہیں یاد کر لیتے ہیں۔

''آج والا واکھ مجھے سناؤ۔''لل نے کہا۔

ملّاح گانے لگا۔سنتے سنتے لل نے آنکھیں بند کرلیں۔پھر آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ملّاح کے سُروں میں اپنا واکھ سُن کر وہ مسرُور بھی ہوئی اور مسحور بھی ملّاح چُپ ہوا تو لل بولی،''اچھا گایا۔''ملاح ہاتھ جوڑ کر بے انتہا انکساری سے بولا،''آپ کے بولوں اور سُروں تک پہنچنے میں میں ناقابل ہوں۔میں آپ کو ماں مان کر آپ سے بنتی کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے اپنا شِشیہ بنالیں۔''

''نہیں،نہیں میں نے کسی کو شِشیہ بنانے کی بات کبھی نہیں سوچی۔گورُ تو وہ ہوتا ہے جو سیدھا سچا راستہ دکھلائے۔جو خود سنسان اُجاڑ جنگلوں میں بھٹک رہا ہے۔وہ کسی کو منزل تک کیسے لے جاسکتا ہے۔جسے خود تیرنا نہیں آیا۔دوسرے کو کیسے پار لے جائے گا۔''

''آپ نے مجھے بیٹا دے کر میری سات پُشتوں کو پار لگا دیا ہے۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''میں نہیں مانتی۔ شِو نے تم پر مہربانی کی ہے۔ اگر مجھ میں یہ شکتی ہوتی تو میں شادی شدہ ہو کر بھی ماں کیوں نہیں بن گئی۔ میں نے اِس لئے گھر بار نہیں چھوڑا کہ گورو بن کر لوگوں میں آشیرواد بانٹوں۔ میں نے شوکو پانے کا ہٹھ کیا ہے۔ انہوں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے۔ پر میں بھی اُن کی دہلیز نہیں چھوڑوں گی۔ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔'' یہ کہتے کہتے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سمادھی میں چلی گئی۔

ملاح اور اُس کی بیوی دونوں نا اُمید ہوئے۔ تھوڑی دیر تک وہ انتظار کرتے رہے کہ کیا پتہ وہ آنکھیں کھول دے۔ لیکن لل کہیں اور پہنچ گئی تھی۔ آخر انہوں نے بچے کو اُٹھایا اور باہر نکل گئے۔

اب ملاح کشتی ٹھیلتے ہوئے ہر وقت گاتا رہتا.....

ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی میں لل
جتن کیا جتنا مجھ میں بل
چاہ بڑھی دربند جو دیکھا
ٹوہ لگا کر بیٹھ گئی لل

لوگ واکھ سنتے اور ساتھ ہی گانے لگتے۔ سبھی اطراف یہ بول پہنچ گئے۔ لل کا نام بھی گونجنے لگا۔ ملاح یہ بات بھی سنائے بغیر نہیں رہتا کہ لل کی دُعا سے اُس کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا ہے۔

کئی دنوں کے بعد دوپہر کو لل نیند سے جاگی تو اُس نے دیکھا کٹیا کے باہر پانچ چھ عورتیں اور پانچ چھ مرد اُس کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ وہ حیران تھی اُنہیں دیکھ کر جب وہ سب اُسے پرنام کرنے لگے تو اُس نے انہیں ویسے آشیرواد دیا جیسے اکثر گورو اپنے مریدوں کو دیتے ہیں۔ لیکن دل ہی دل میں اُسے رنج ہوا۔

وہ اُن کے رُوبرُو بیٹھ گئی۔

ایک عورت کی گود میں نوزائیدہ بچہ تھا، جو سُوکھے کی بیماری سے پتلی سینک سا ہو گیا تھا۔ اُسے آگے بڑھا کر دکھاتی ہوئی وہ بولی، ''اے بڑے نصیبوں والی ماتا رانی۔ یہ بچہ بڑی مِنّتوں کے بعد میری گود میں آیا تھا۔ جانے کس نے کیا کیا۔ سوکھتا ہی جا رہا ہے۔ اِسے تمہارے چرنوں میں رکھ رہی ہوں۔ اِسے سنبھالو، ہوش میں لاؤ۔ ہماری سات پیڑھیاں تمہاری پوجا کریں گی۔''

اُس عورت کا خاوند اُسکے ساتھ تھا۔ بولا، ''ماتا! آپ کے بھیتر شِو شمبھو سچے روپ میں موجود ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

آپ ہم پر رحم کریں۔ ہمارے بچے کو آشیرواد دو۔'' یہ کہتے کہتے وہ لل کے پیروں میں گر پڑا۔

لل گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

ایک اور عورت آگے آئی اور بولی، ''دیوی ماتا! پانچ برس ہو گئے میرا بیاہ ہوئے ابھی تک میری گود خالی ہے۔ مجھے تمہارا آشیرواد چاہیئے۔''

سب سے پیچھے بیٹھا ہوا ایک شخص اپنے بیٹے کا بازو پکڑ کر آگے لایا، اور ہاتھ جوڑ کر بولا، ''دیوی! میرا بیٹا نو برس کا ہو گیا لیکن ابھی تک بات نہیں کرتا، اِس کے سر پر ہاتھ رکھو ماتا!''

لل سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ کیا کرے، کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ کیا کہے اِن لوگوں سے جو اُس کی ریاضت میں خلل ڈال رہے تھے۔ وہ کُٹیا کے اندر چلی گئی ایک کونے میں بیٹھ کر رونے لگی۔ اُس کا رونا باہر لوگوں تک نہ پہنچے اس کے لئے اُس نے ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی ''شِو میرے شِو! میں تمہارا نام اِس لئے تو نہیں لیتی کہ لوگ مجھے دیوی سمجھنے لگیں۔ یہ کیسی آزمائش میں تم نے مجھے ڈال دیا۔ لوگ جو مجھ سے چاہ رہے ہیں وہ میرے پاس کہاں ہے؟ تمہیں اُن کو یہ سب کچھ کیوں نہیں دے دیتے۔ کتنے دکھی ہیں لوگ؟ اُن کی پرارتھنا سنو۔ مجھے اِن بندھنوں میں مت ڈالو۔ مجھے تم اپنی پناہ میں آنے دو۔ اپنے پاس بلاؤ۔ میں تمہاری ہوں۔ تم میرے ہو۔ تم میرے ہو۔'' وہ رو رو کر نڈھال ہو گئی۔ اُسے یاد آیا کہ باہر لوگ بیٹھے ہیں۔ اُس نے آنکھیں پونچھیں اور باہر جانے کو ہوئی۔

لوگ اُس کا رونا سن چکے تھے۔ وہ ابھی بھی اُس کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھ رہے تھے۔ اُن کا اندازہ تھا کہ دیوی انہیں کے لئے بھگوان سے رو رو کر پرارتھنا کر رہی ہے۔

اُنہیں امید بندھی تھی کہ اُن کی تکلیفیں اب دور ہو جائیں گی۔

لل نے کہا، ''شِو شمبھو اگر چاہیں گے تو آپ سب کی مُرادیں پوری ہوں گی۔ اب آپ جایئے۔''

سب نے پرنام کیا اور جانے لگے۔ بھینٹ چڑھاوے جو لائے تھے وہیں چھوڑ گئے۔

اُسی رات لل نے وہ کُٹیا چھوڑ دی۔ اندھیرے میں وہ کس طرف جا رہی ہے اُسے پتہ نہیں تھا۔

اُس دن جتنے لوگوں نے اُس کا آشیرواد لیا اُن میں سے ایک دو کی مُرادیں پوری ہو گئیں۔ انہوں نے ملاح کے ساتھ مل کر لل کی تلاش کی لیکن وہ نہیں ملی۔ اُن سب کو پورا یقین تھا کہ لل کوئی دیوی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل کا ملبوس دھجی دھجی ہو رہا تھا۔ جب وہ کوئی ندی نالہ پار کرتی تو نہا بھی لیتی تھی۔ اور بچے کھچے کپڑوں کی دھجیاں بھی دُھل جاتیں۔ بالوں میں جوئیں پڑتیں تو کتنی کتنی دیر تک سر کو بہتے ہوئے پانی میں بوئے رکھتی اور مل مل کر دھوتی۔ اُس کے لئے سردی، گرمی، دھوپ، بارش کا فرق کم ہوتا جا رہا تھا۔

چلتے چلتے پانووں کے تلوے چھل گئے۔ گوشت پتھروں سے چپکا جا رہا تھا۔ لیکن وہ چلتی جا رہی تھی س کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ شِو نے ہی راستہ سُجھایا تھا یہاں کی مشکلیں اور تکلیفیں وہ ہی سکتی تھی، سہہ رہی تھی۔

ایک گاؤں کے باہر سے وہ گذر رہی تھی۔ اُس نے دیکھا کچھ عورتیں گھاس کے گٹھر سر پر اُٹھائے کھیتوں کی جانب سے گھروں کی طرف چلی جا رہی تھیں۔ وہ کچھ گا بھی رہی تھیں۔ لل ایک ٹیلے کے پیچھے بیٹھی تھی۔ وہ کان لگا کر سننے لگی وہ عورتیں اُس کا واکھ گا رہی تھیں۔

ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی میں لل
جتن کیا جتنا مجھ میں بل
چاہ بڑھی دربند جو دیکھا
ٹوہ لگا کر بیٹھ گئی لل

سُن کر لل کو حیرانی بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ پہلے تو وشواس ہی نہیں ہوا کہ وہ اُسی کا رچا ہوا واکھ گا رہی ہیں۔ پھر جلد ہی وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ شوشنکر نے تو آج بھی در بند کر کے رکھا ہے اور اُس نے بھی اپنی دبند نہیں چھوڑی ہے۔ چاہ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اور کہاں جائے وہ۔

عورتیں واکھ کے بول دوہراتے ہوئے اُس کے آگے سے گذرنے لگیں۔ اچانک ایک عورت کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔ پھر آہستہ آہستہ لل کے نزدیک آ گئی۔ لل بھی اُسے دیکھ رہی تھی۔

سُلبھا نے پوچھا، ''تم لل ہو؟''

لل نے گردن ہلا کر ہاں کیا

سُلبھا نے سر پر اُٹھائے گھاس کے گٹھر ایک طرف پھینکے اور آگے بڑھ کر لل کا ہاتھ تھام لیا۔ ''یہ واکھ تمہارا ہی بنایا ہوا ہے نہ؟''

''تم نے میرا نام کیسے جان لیا؟'' لل نے پوچھا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''تمہیں ڈھونڈتے ہوئے کتنے لوگ یہاں آئے ہیں۔وہ جو تمہارا حلیہ، تمہارا رنگ ڈھنگ بیان کرتے ہیں۔تمہاری صورت بالکل ویسی ہے۔بکھرے ہوئے بال، چوڑا ماتھا، لمبی ناک، نیلی آنکھیں ، دھجی دھجی کپڑے.....''

''اُنہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ پاگلوں کی طرح باتیں کرتی ہے؟''لل نے پوچھا۔

''ہاں بتایا تھا۔''

لل نے کھل کر قہقہہ لگایا اور بولی،''وہ ٹھیک کہتے ہیں،''

سُلبھا نے سنجیدگی سے کہا،''تم پاگل نہیں ہو۔''

''پھر تو تم بھی پاگل ہو۔''لل بولی۔

سبھی عورتیں ہنس پڑیں۔

سُلبھا بولی،''ایسا واکھر چنے والی پاگل نہیں ہوسکتی۔''

''تمہیں پتہ نہیں ایسا واکھ گڑھنے کے لئے پاگل ہونا ضروری ہے۔'' یہ کہتے کہتے لل آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

سب عورتوں کو اُس کے دل کا درد محسوس ہوا۔سُلبھا کو بھی اُس کی بات میں چھپی حقیقت کا احساس ہوا۔اُس نے لل سے کہا،''بہت سے لوگ جو تمہارے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔اُن کا کہنا ہے کہ اگر تمہارا آشیرواد مل جائے تو بگڑے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔

''یہ اُن کا وہم ہے، بھرم ہے۔''لل نے اُداس ہوکر کہا۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے لگتا ہے وہ لوگ سچ کہتے۔'' اِتنا کہہ کر سُلبھا ایک پل کیلئے چپ رہی اور پھر بولی،''تم اِتنی دُعا کرو کہ میرا گھر برباد نہ ہو۔''

''تمہیں گھر برباد ہونے کا ڈر کیوں ہے؟''لل نے پوچھا

سُلبھا رونے لگی۔اُس کے ساتھ بیٹھی ہوئی بملا بولی،''اس کے گھر والے پر کسی اور عورت نے جادو ڈالا ہے۔وہ اُس کے پاس جا کر رہتا ہے۔''

لل کو دُکھ ہوا۔اُس نے دُلار سے سُلبھا کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولی،''شِوشنکر تیرے گھر کو برباد نہیں ہونے دیں گے۔تم اُن کا دھیان کیا کرو۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

سُلبھا نے لل کا ہاتھ تھام لیا۔ ''مجھے بتاؤ وہ اُس چھنال کی چھایا سے باہر آ جائے گا یا نہیں؟''

''میں کیسے بتا سکتی ہوں۔''

''تمہیں سب پتہ ہے۔''

''مجھے کچھ پتہ نہیں۔''

''نہیں تمہیں پتہ ہے۔ مجھے بتاؤ مجھے بتاؤ'' سُلبھا پھر رونے لگی۔ لل کو اُس پر بڑا رحم آ رہا تھا۔ دل میں ہمدردی تھی لیکن وہ اُسے جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتی تھی۔ لیکن اُس کے منہ سے صرف اِتنا نکلا ''شِوشنکر تیرا گھر بچائیں گے۔ ضرور بچائیں گے۔''

سُلبھا کو محسُوس ہوا کہ اُسے لل کا آشیرواد مِل گیا ہے۔ وہ آنسو پُونچھتے پُونچھتے مسکرانے لگی۔ دوسری عورتوں کے دِل بھی بھر آئے۔ انہیں بھی تسلی ہوئی۔

سُلبھا نے لل سے کہا ''تمہیں، شِو ناتھ بھگوان نے میرے لئے ہی یہاں بھیجا۔ تو میرے ساتھ گھر چل میں تیرے پاؤں دھوؤں گی۔ تجھے کھانا کھلاؤں گی۔''

لل نے پھر اُس کے سر پر دُلار سے ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولی، ''میری بہن۔ جب سے میں نے گھر چھوڑا، میں کسی کے گھر نہیں جاتی۔''

''تو پھر تم یہیں بیٹھو۔ میں تمہارے لئے یہیں کچھ کھانے کے لئے لاتی ہوں۔ دیکھنا چلے مت جانا۔''

سُلبھا اور دوسری عورتیں اپنے اپنے گٹھر اُٹھا کر گھروں کی طرف چل دیں۔ سُلبھا سب سے آگے تیز تیز چل رہی تھی۔

لل نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بادل گہرے ہو رہے تھے۔ ہوا کی رفتار بڑھ رہی تھی۔ وہ بڑبڑانے لگی، ''ایشور جب سب کچھ تو ہی تو ہے تو پھر اتنے جھنجھٹ جھمیلے کیوں؟ تم اِتنے نازک دلوں میں اِتنا درد کیوں بھر دیتے ہو؟ کیا تو نے آنکھیں رونے کیلئے بنائی ہیں؟''

گھر پہنچتے ہی سُلبھا کھانا بنانے میں لگ گئی۔ چھوٹی دیگچی میں چاول چڑھائے۔ سویرے کا پڑا ہوا ساگ گرم کیا۔ اُسے ایک بڑے پتے میں ڈالا۔ پھر گرم گرم چاول بھی پتے میں ڈالے۔ انہیں کپڑے کی پوٹلی میں باندھا۔ جب وہ باہر نکلی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔ وہ بہت خوش

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

تھی۔اپنی قسمت پر نازاں تھی۔کتنے ڈھونڈنے والے لل کو ڈھونڈتے رہے اور اُسے بنا کوشش کے اُس کی دُعائیں مل گئیں۔وہ ٹیلے کے پاس پہنچی۔دیکھا لل وہاں نہیں تھی۔وہ اِدھر اُدھر دیکھتی رہ گئی۔جہاں بیٹھ کر اُس نے لل سے باتیں کی تھیں وہ وہیں بیٹھ گئی۔بارش کی چھوٹی چھوٹی بوندیں گرنے لگیں۔پھر بھی بہت دیر تک وہ وہیں بیٹھی رہی۔پھر آہستہ آہستہ اُٹھی اور گھر کی طرف چلدی۔بھات ساگ والی پوٹلی کو اُس نے وہیں رہنے دیا۔

وہ دونوں لل کو کھوج رہے تھے۔

اُن دونوں نوجوانوں کو شہر سے نکلے ہوئے سات دن بیت گئے تھے۔جگہ جگہ بھٹک کر وہ تھک چکے تھے۔آج انہیں اور آگے جانا بے معنی لگ رہا تھا۔وہ جس جس گاؤں میں گئے وہاں کے لوگ لل کا نام جانتے تھے۔اُس کے واکھ گاتے تھے لیکن کم ہی لوگوں نے اُسے دیکھا تھا۔اُس کے بارے میں کچھ نہ کچھ سناسب نے تھا۔جن کچھ لوگوں نے اُسے دیکھا تھا وہ اُس کے بارے میں باتیں کرتے تھکتے نہیں تھے۔بہت کچھ وہ اپنے پاس سے بھی بنا لیتے تھے۔صاف بات تھی کہ زیادہ تر لوگ سُنی سنائی باتیں ہی کرتے تھے۔ایسی بے انتہا باتوں نے اُن نوجوانوں کے دل میں لل سے ملنے کا اور بھی اشتیاق پیدا کر دیا تھا۔

لیکن اب وہ تھک گئے تھے۔دونوں شہتوت کے ایک درخت کے نیچے پسر گئے تھے۔

''اگر واپس جانا ہے تو ابھی چل پڑنا چاہیئے۔''سہدیو نے کہا۔گوند بولا''واپس جانا بھی اِتنا آسان نہیں۔یہ اندازہ بھی تو نہیں لگ سکتا کہ پیچھے کون سا گاؤں کہاں چھوڑا تھا۔''

''یہاں بیٹھ کر بھی کیا کر لیں گے؟ چل اُٹھ۔اُس پہاڑی کے اوپر کچھ گھر دکھائی دے رہے ہیں۔انہیں آخری پڑاؤ مان کر چلتے ہیں۔اگر لل کے درشن ہوئے تو ٹھیک ورنہ واپس.....''

دونوں پھر چل پڑے۔

دونوں کے کپڑوں،ٹوپیوں اور ماتھے کے تلک سے لگ رہا تھا کہ دونوں پنڈت ہیں۔اُن کی آنکھوں سے اُن کی چال سے اُن کے اِرادے کی جھلک ملتی تھی۔صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے لل کی تلاش میں نکلے تھے۔

دشوار گذار پگڈنڈیوں سے ہو کر وہ پہاڑی کے اوپر گاؤں کے پاس پہنچے۔وہ ایک جگہ دم لینے کیلئے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

بیٹھنے ہی والے تھے کہ انہیں ایک شخص گاؤں کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ گونند نے اُسے رُکنے کا اِشارہ کیا۔ پھر اُس کے پاس جا کر پوچھا، ''بھائی! تم نے یہاں کسی پاگل عورت کو گھومتے پھرتے دیکھا ہے؟''

''پاگل؟'' وہ شخص حیران تھا۔

''ہاں۔ اُسکے کپڑوں کی دھجیاں اُڑ گئی ہیں۔ بال جٹاؤں جیسے گُتھ گئے ہیں۔''

''آپ لل کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے؟''

''ہاں ہاں لل کی بات کر رہے ہیں۔ تم نے اُسے کہیں دیکھا؟''

''وہ پاگل ہے؟''

یہ سوال سن کر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ سمجھ گئے اُن سے غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ گونند بولا، ''ہم اُسے پاگل نہیں سمجھتے لیکن بہت سے لوگ اُس کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔''

''وہ تو جوگن ہے۔'' اُس شخص نے کہا۔ ''بچی جوگن۔ شِو کی بھگتن، واکھ گاتی ہے۔ لوگوں کو آشیرواد دیتی ہے۔''

''ہم اُسی کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔''

''لیکن آپ تو اُسے پاگل کہہ رہے ہیں۔''

''بھائی جو سب لوگوں کا بھلا چاہتی ہو، لوگ اُسے پاگل ہی سمجھتے ہیں۔''

''آپ اُس کا آشیرواد لینا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ آیئے۔ میں بھی اُسکے درشن کرنے جا رہا ہوں۔ وہ اِسی وقت اپنی کُٹیا کے باہر آ کر درشن دیتی ہے۔ کبھی کبھی واکھ بھی سناتی ہے۔ مجھے آج دیر ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو وہ واپس کُٹیا میں چلی جائے۔ ہمیں جلدی وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔''

تینوں چل پڑے۔ لیکن اُن دونوں کو اُس دیہاتی کسان کے ساتھ قدم ملا کر چلنا مشکل لگ رہا تھا۔ سہدیو کو کہنا پڑا، ''بھائی آہستہ چلو ہم پہلے سے بہت تھکے ہوئے ہیں۔''

''دیر ہوئی تو اُس کے درشن نہیں ہوں گے۔''

''تم ہر روز وہاں جاتے ہو؟''

''جب بھی وقت ملے جاتا ہوں۔ اُسے دیکھ کر ہی دل کو سکون مل جاتا ہے۔''

نالہ پار کر کے پتھروں پر چلتے ہوئے جب وہ جنگل میں داخل ہوئے تو اُن کے کانوں میں لل کے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

گانے کی آواز سنائی دی ۔وہ دونوں رُک گئے ۔لیکن اُن کا دیہاتی راہبر اور بھی تیزی سے چلنے لگا۔اُن دونوں کو بھی چلنا ہی پڑا۔لیکن وہ دیہاتی اُن سے کافی آگے تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے ۔لل کی آواز اُونچی ہوتی جارہی تھی ۔آواز میں شہد گھلا ہوا تھا۔اُس مٹھاس میں پھولوں کی خوشبو تھی ۔تھوڑا اور آگے جا کر وہ وہاں پہنچ گئے جہاں ایک کھلی اور ہموار جگہ پر پچیس تیس لوگ بیٹھے ہوئے تھے ۔دائیں طرف ایک گھنے درخت کے نیچے لل بیٹھی تھی اور واکھ گا رہی تھی.....

امبر تُو ہے ، دھرتی تُو ہے
دِن تُو ہے ، تُو رات، ہوا
ارگھیہ ، پھول پھل ، چندن تُو
تُو سب کچھ ، میں تُجھ کو دوں کیا؟

لل کی آنکھیں بند تھیں اور سامعین کی بھی ۔دُور سے آتی نالے کے پانی کی آواز پس منظر کی موسیقی کا کام انجام دے رہی تھی ۔لل کے بولوں کو ہوا یوں اُٹھا کر لے جارہی تھی جیسے مکھیاں پھولوں سے شہد اُٹھاتی ہیں ۔جنگل میں جہاں تک لل کے بول جارہے تھے، درخت مست و مسحور ہو کر جھولنا بھی بھول گئے تھے۔

وہ شخص جو سہدیو اور گونند کو وہاں لایا وہاں پہنچ کر اُنہیں بھول گیا تھا۔اور لوگوں کے بیچ جا بیٹھا تھا۔گونند اور سہدیو بہت پیچھے ایک پیڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ۔اور لل کے بولوں کو یوں سننے لگے جیسے وہ سُن نہیں رہے پی رہے ہیں، دِل کے اندر اُنڈیل رہے ہیں۔

لل ایک سطر پورا کرتی تو لوگ اُسے دہراتے ۔اِس طرح سہدیو اور گونند کو واکھ ازبر ہو گیا۔ایک واکھ ختم ہوا تو لل نے دُوسرا شروع کیا.....

کیوں بے فکر ہوا ناچے تو
نیچے تیرے کنواں ہے گہرا
بے وقوف تو نہیں جانتا
جو بھی تو نے جمع کیا ہے
یہیں دھرا سب رہ جائے گا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کھانا کیسے تجھ کو بھاتا؟

گونند اور سہد یو کو محسوس ہو رہا تھا وہ اس زمین پر نہیں کہیں اور ہیں۔ کسی اور جہان میں۔ آفاقی دریچے کھلے ہوئے تھے۔ الفاظ کو سروں کی لہروں میں اِس طرح ڈولتے ہوئے اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہشتی اُجالے تھے اُس آواز میں۔ بادلوں کے پیچھے سے سورج کی کرنیں جیسے زمین پر اترتی ہیں سرور وجد کے پراسرار لمس اُن کے دلوں میں اُتر رہے تھے۔

اچانک لل نے گانا بند کر دیا۔ لیکن لوگوں کی آنکھیں بند تھیں۔ اُن کے درون میں بدستور رحمتِ باراں کا عالم تھا۔ سہد یو اور گونند کی آنکھیں بھی ابھی تک بند تھیں۔ لیکن دوسرے لوگوں سے اُن کی آنکھیں پہلے کھلیں، کیونکہ وہ جس کام کے لئے آئے تھے اُنہیں اُس کا احساس بھی تھا۔ یہ دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئے کہ لل اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ لازماً وہ کٹیا کے اندر چلی گئی تھی۔ اُسی وقت لوگوں کی بھی آنکھیں کھلیں۔ جو بھی سرور وجد کے اُن لمحوں سے باہر آ رہا تھا لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں بول رہا تھا۔ شاید ایسا ہر روز ہوتا تھا۔

لوگ اُٹھ اُٹھ کر جانے لگے۔

سہد یو اور گونند آہستہ آہستہ چلتے ہوئے لل کی کٹیا کے باہر جا کھڑے ہوئے۔ دروازہ تو تھا لیکن کواڑ نہیں تھے۔ باہر سے سب دکھائی دے رہا تھا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ سہد یو دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کٹیا کی عقبی دیوار میں شگاف تھا۔ لل ضرور وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ دونوں جلدی سے کٹیا کے پچھواڑے پہنچے۔ لل دُور ایک پگڈنڈی پر جاتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھے۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ سن کر لل کھڑی ہو گئی اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دونوں اُس کے پاس پہنچے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ لل کی خاموشی اُن سے پوچھ رہی تھی ''تم کون ہو؟ یہاں کیسے آئے؟''

گونند نہایت انکسار سے بولا۔ ''دیوی آپ کی زبان سے آپ کے واکھ سن کر ہمیں محسوس ہوا ہم کہیں اور پہنچ گئے ہیں۔ شہر کی پاٹھشالہ میں پڑھتے ہوئے بھی ہم نے آپ کے واکھ سنے تھے۔ لیکن آپ کی زبان سے سن کر لگا کہ واکھوں کے معنی بہت گہرے ہیں۔''

لل نے حیرانی سے پوچھا ''شہر کی پاٹھشالہ میں میرے واکھ کون گاتا ہے؟''

''جس کے کانوں میں آپ کے واکھ پہنچتے ہیں، وہ اُنہیں دوسروں کو ضرور سناتا ہے۔ اسی لئے سبھی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

طرف ان کا چرچا ہے۔'' گونند نے بتایا۔ سہدیو بولا، ہمارے گورو دیو پنڈت پرمانند آپ کے گوروشری نیل کنٹھ سدھ مول جی کے ساتھ جوانی میں اسی پاٹھشالہ میں پڑھتے تھے۔ اور اب وہاں پڑھاتے ہیں۔ ہم اُن کے شاگرد ہیں۔''

لل کی آنکھوں میں جیسے روشنی آ گئی۔ اُس نے فوراً پوچھا۔ ''اس وقت میرے گورو دیو کہاں ہیں؟''

''کاشی میں'' سہدیو نے جواب دیا'' ہمارے گورو دیو نے ایک بار بتایا کہ گورو سدھ مول جی کشمیر میں لکھی گئی کتابیں جمع کر کے اپنے ساتھ کاشی لے گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں پڑھانے کا کام شروع کر دیا ہے۔''

''میرے بس میں ہوتا تو میں بھی وہاں جاتی'' لل نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا'' گورو جی میری بات سمجھتے تھے۔ وہ جب بھی میرے سر پر ہاتھ رکھتے مجھے چین ملتا تھا۔''

''گورو پرمانند نے آپ کے گوروشری سدھ مول جی کا سندیش آپ کے نام دیا ہے۔'' سہدیو نے بتایا۔

''میرے نام؟'' لل بے قرار ہو گئی،'' کیا سندیش ہے؟''

''ہمارے گورو دیو نے آپ کے کچھ واکھ اُن کو سنائے تھے سن کر وہ بے حد خوش ہوئے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُنہوں نے کہا کہ لل سے کہنا وہ واکھ گڑھتی رہے اُس کے واکھ کشمیر کی آتما کو صدیوں تک زندہ رکھیں گے۔ شِو اُس کے اندر ہیں۔ وہ اُن کی کھوج میں لگی رہے۔ وہ اُسے ضرور ملیں گے۔''

لل کی آنکھوں سے اور بھی آنسو بہنے لگے۔ وہ سسکنے لگی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا۔

سہدیو اور گونند نے ایسا نہیں سوچا تھا کہیں اُن سے کوئی بھول تو نہیں ہو گئی وہ پچھتا رہے تھے۔ لل نے رونا بند کیا تو اُنہیں بھی راحت ملی۔

لل ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

سہدیو آہستگی سے اُس کے نزدیک گیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولا'' للیشوری! اگر ہم سے کوئی بھول ہو گئی ہے تو ہمیں معاف کرو۔ ہمارا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں تم نے کیا کیا ہے؟ میں تو گورو دیو کا سندیشن سن کر بے چین ہو گئی تھی۔ مجھے اُن کا بڑا سہارا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں اکیلی رہ گئی۔''

گونند نے کہا'' دیوی آپ کے گورو دیو بہت اہم کام کر رہے ہیں، ان کے کہنے پر آپ جو کر رہی ہیں، جو واکھ گڑھ رہی ہیں وہ بھی بہت بڑا کام ہے جب سے ہندو راج ختم ہوا ہے اور مسلمان سلطان تخت

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پر بیٹھے ہیں ہماری سنسکرتی برباد ہونے لگی ہے۔''

لل ٹکٹکی لگا کر اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

سہدیو کہنے لگا ''ممکن ہے ہندو راجاؤں کا اپنا قصور ہو لیکن ہمیں تو اپنی سنسکرتی کی اپنے دھرم کی حفاظت کرنی ہے۔''

لل چپ تھی جنگل نے بھی جیسے سانس لینا بند کر دیا تھا۔ کسی پرندے کی آواز بھی نہیں تھی۔ لل بہت دھیمے دھیمے بولی.....

کاٹھ کی کمان اور تیر گھاس کا
کیا محل بناتا وہ بے عقل راج گیر
قفل کے بغیر تھی بازار میں دوکان
حال تھا بے حال زیارت نہ ہو سکی

سہدیو اور گونند دونوں کو لگا کہ لل نے کوئی پہیلی بجھائی ہے۔ کس کی کمان لکڑی کی؟ کس کا تیر گھاس کا؟ کون سا محل بنانے لگا کوئی اناڑی کاریگر؟ کس کی دوکان سر بازار بنا تالے کی تھی جو لُٹ گئی؟ کون زیارت کو گیا۔ نامراد لوٹنے پر کس کا حال بے حال ہو گیا۔

اُن دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں ادب و شاعری اور علم صوت کے طلبہ تھے۔ آہستہ آہستہ بتدریج ان پر واکھ کے معنی واضح ہونے لگے۔ ہندو راجاؤں کی کمان لکڑی کی تیر گھاس کا تھا؟

گونند نے پوچھا'' دیوی ان حالات میں کیا ہم خاموش بے عمل بیٹھے رہیں؟ جو ہوتا ہے ہونے دیں؟ کیا ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہئے؟''

بہت دیر تک لل چپ رہی، پھر بولی.....

راج وہ کرتا ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے
ملتی ہے جنت اُسے تپ دان جو کرتا رہے
جو کہا گورو دیو کا مانے اُترتا پار ہے
پاپ پُن کا فیصلہ نر بھر ہے کرموں پر تیرے

دونوں دنگ رہ گئے۔ کیا لل انہیں تلوار اٹھانے کو کہہ رہی ہے؟ نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ٹھیک ہے کہ سب اپنی اپنی نیکی اور بدی کا پھل پاتے ہیں۔لیکن لل کیا یہ کہہ رہی ہے کہ کشمیر کے لوگ اپنے اعمال کا انجام دیکھ رہے ہیں؟ چلو مان لیا، مگر اب اس کا علاج کیا ہے؟

گوونند نے کہا ''للیشوری ہم آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ہماری باتوں کا کھل کر جواب دو۔ ہم بڑی دُور سے رہنمائی کی اُمید لے کر آئے ہیں۔''

لل کی گہری آنکھوں میں کچھ پرچھائیاں تیر رہی تھیں۔ پتہ نہیں اُسے کیا نظر آ رہا تھا اور وہ کیا سوچ رہی تھی۔ بہت دیر کے بعد بھی جب اس نے کچھ نہیں کہا تو سہد یو بولا ''ہمیں لگتا ہے کہ اس وادی کے باسیوں کو آپ بچا سکتی ہیں۔اس وقت ساری وادی میں لوگ آپ کے واکھ گا رہے ہیں۔دل سے وہ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ وہ آپ کو شو کا اوتار مانتے ہیں۔آپ کے کہنے پر وہ کچھ بھی کریں گے۔آپ ہمیں سندیش دیں۔ہم آپ کا سندیش ایک ایک شخص کے پاس جا کر پہنچائیں گے۔''

''سب جھوٹ ہے، سب جھوٹ ہے،'' کہتے کہتے لل اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بے قرار تھی اُس کی پریشانی دیکھ کر سہد یو اور گوونند دونوں گھبرا گئے۔اُن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس بات پر اتنی بے چین ہو گئی ہے۔وہ خاموش کھڑے رہے لل ہونٹوں میں یوں بڑبڑاتی جیسے وہ خود نہیں بول رہی بلکہ الفاظ اپنے آپ نکل رہے ہیں ''میں کہاں کی اوتار ہو گئی ہوں۔ میں تمہیں شو کا اوتار لگتی ہوں؟ میں تو رو رو کر انہیں منانے کا جتن کرتی ہوں۔ وہ میری پرارتھنا بھی نہیں سنتے۔ گورو دیو بولے تھے وہ میرے بھیتر ہیں۔اگر وہ میرے بھیتر ہیں تو میرے ہاتھ کیوں نہیں آتے؟ مجھے ڈھارس دینے کے لئے کبھی دو بول بھی نہیں بولتے اور تم کہتے ہو لوگ مجھے شو کا اوتار سمجھتے ہیں'' یہ کہہ کر لل ہنس پڑی۔ وہ ہنسی غیر فطری تھی۔اُس میں کرب تھا۔تڑپ تھی، رونا تھا، عجیب ہنسی تھی وہ، ہنستے ہنستے وہ وہاں سے چل پڑی۔

سہد یو اور گوونند نے آنکھوں آنکھوں میں فیصلہ کیا کہ وہ اس کے پیچھے جائیں گے۔اُنہیں احساس تھا آج وہ جو دیکھ سن رہے ہیں زندگی میں وہ پھر کبھی دیکھنے سننے کو نہیں ملے گا۔وہ دبے پاؤں اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

لل چلی جا رہی تھی۔اب اُس کی روتی ہوئی ہنسی رُک گئی تھی۔فضا بالکل خاموش تھی۔ چڑیاں بھی چیں چیں نہیں کر رہی تھیں۔صرف سہد یو اور گوونند کے پاؤں کی ہلکی سی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔لل جان گئی تھی کہ وہ پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ پگڈنڈی کا موڑ مڑ کر وہ ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئی۔اب وہ پرسکون تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

گونند اور سہدیو نے اسے بیٹھے ہوئے دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر اس کے روبرو کھڑے ہو گئے، سہدیو بڑی عاجزی سے بولا ''ہمیں معاف کرو دیوی۔ ہم نے آپ کی عبادت میں خلل ڈالا۔ آپ کے گورو دیو کا سندیش آپ تک پہنچانا ضروری تھا۔ یہ بات ہمارے گورو دیو نے کہی تھی کہ ہم آپ کو اس بدقسمت وادی کے تازہ حالات کی جانکاری دیں۔ انہیں اس وقت آپ کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جو لوگوں کو بچنے کا راستہ بتا سکے۔ آج لوگوں کو ایک راہبر کی تلاش ہے''

لل دھیمی آواز میں بولی

ڈھیلی ہے ڈوری گٹھری کی
کیسے سنبھالوں گی یہ مٹھائی؟
کمر کمان سی جھک گئی میری
بھار اٹھاؤنگی اب کیسے؟
گورو کو بھی پہچان نہ پائی
من چاہا جو بھی تھا گنوایا
بنا گڈریئے کے ریوڑ گم
آگے جاؤ گے کیسے تم؟

واکھ بول کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ان دونوں کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو اب میرے پیچھے نہیں آنا۔ پھر وہ وہاں سے چل پڑی۔ سہدیو اور گونند ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہے۔ لل آگے بڑھتی گئی۔ آخر وہ گھنے درختوں کے پیچھے غائب ہو گئی۔

گونند بولا، ''مجھے لگتا ہے وہ ہماری باتوں کا جواب دے گئی''

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔ لیکن شاید کچھ رہ گیا ہے۔ بہت کچھ واضح نہیں ہوا۔''

''لل کے واکھوں کی خوبصورتی اسی میں ہے۔ وہ تھوڑے الفاظ میں بہت کچھ کہتی ہے۔ سب کچھ واضح نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے استعارے، کنائے حقیقت کی زمین پر خلق ہوتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے فطرأ شاعری کا گُر معلوم ہے۔ ہمارے گورو جی نے گرو سدھ مول کا ایک واکھ سنایا تھا اس میں بھی یہ گن تھا۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''گوروسدھ مول کے واکھ میں اندرونی گہرائی اظہارِ ذات کی شدت اور عصری المیہ کا کرب نہیں۔ ہمارے سامنے وہ جیسے پھوٹ پھوٹ کر روئی ہے وہ سارا درد اس نے اس واکھ میں اُنڈیل دیا۔''

''جتنا درد گہرا ہے اتنا واکھ بھی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے لل کا یہ روپ دیکھا۔''

''میں بھی زندگی بھر اسے ایک خواب کی طرح یاد رکھوں گا۔ عظیم شاعری کا جنم ہوتے دیکھ لیا ہم نے۔ سچ ہی تو کہا اس نے۔ اس وقت ہم زندگی کا بوجھ اٹھانے کے نااہل ثابت ہو رہے ہیں ہمارا اثاثہ بکھر رہا ہے۔ عام لوگ ایک ریوڑ کی طرح دھند میں کھو گئے ہیں کوئی گورو کوئی راہبر نہیں ہے۔''

دونوں خاموش ہو گئے۔ دونوں شعروادب کے طالب علم تھے۔ وہ واکھ کو مکمل طور پر سمجھ گئے تھے۔ آج انہیں علم الصوت کا زندہ تجربہ ہوا تھا۔ جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ وہ سمجھ گئے تھے۔ کیسے شاعر اور شاعر؟ ایک ہی ہوتے ہیں واکھ لل ہی تھے اور لل مجسم واکھ۔ وہ دونوں جس مقصد کو لے کر یہاں آئے تھے، وہ جان گئے کہ وہ پورا نہیں ہو سکتا۔

لل کی سمادھی یوں ٹوٹی جیسے کانٹوں میں الجھ کر کپڑے کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ سکون جاتا رہا۔ اسے نہیں پتہ تھا کیا ہوا۔ ہوا کے دوش پر تیرتی، کانپتی ماں کی یاد نے اسے چھوآ۔ ہاں وہ ماں کا ہی لمس تھا۔ اسے محسوس ہوا اس کی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ضرور کچھ ہوا ہے۔ وہ بے چین ہو گئی۔ وہ گپھا سے باہر نکل آئی۔ باہر آ کر بھی ویسا ہی اضطراب تھا۔ وہ سوچنے لگی میں نے شوشنکر کو اپنا ماتا، پتا مان لیا۔ بھائی مان لیا، پتی مان لیا، دوست مان لیا، پھر بھی ماں کی یاد سے میری یہ حالت ہو سکتی ہے تو دنیاداری میں اُلجھے ہوئے لوگوں کی ایسے لگاؤ میں کیا حالت ہوتی ہوگی۔ وہ ان رشتے ناطوں کے لئے کتنے سکھ، کتنے دکھ جھیلتے ہوں گے۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ان کے منہ سے ''شو! شو!'' نکلا۔

پھر اس نے سوچا ماں کے بھیتر بھی تو شو ہیں۔ وہی مجھے بلا رہے ہیں۔ مجھے جانا چاہئے اس نے جانے کا سوچ لیا۔ اس کے کانوں میں ماں کی آواز سنائی دے رہی تھی ''لل! لل'' ماں کی انتظار کرتی ہوئی بے قرار آنکھیں بھی اسے دکھائی دینے لگیں۔ بے اختیار اس کے پاؤں چل پڑے۔

پاندرتھن گاؤں کس سمت میں ہے اسے پتہ نہیں تھا۔ لیکن وہ اس طرح بے فکر چل رہی تھی جیسے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اسے پتہ ہے۔ وہ ایسے ہی کرتی ہے ہمیشہ جدھر منہ اٹھا چل دیئے۔ سبھی دِشائیں ایک جیسی تھیں۔ جو ملا کھالیا۔ جہاں تھکان محسوس ہوئی بیٹھ گئے۔ جہاں نیند آئی سو گئے۔ کبھی کوئی شخص مل جائے اور وہ کچھ پوچھے تو جواب دینے سے پہلے وہ کچھ سوچتی نہیں۔ جو من میں آتا ہے ٹھیک لگتا ہے کہہ دیتی ہے دھوپ باہر لگتی ہے اندر نہیں۔ برکھا بھی باہر ہی بھگوتی ہے باطن سوکھا ہی رہ جاتا ہے۔ اب تو اس کے پیروں میں پتھر کنکر بھی نہیں چبھتے۔ برف کے اوپر چلتے ہوئے پہلے پیروں کے تلوؤں میں زخم ہو جاتے تھے اب نہیں ہوتے۔

جس پگڈنڈی پر وہ چل رہی تھی اس کے بیچوں بیچ اس نے ایک بِڈے کو دیکھا۔ اس کے پاؤں کی آہٹ سے بھی وہ ہمکا نہیں۔ لل سمجھ گئی کسی گرگٹ نے اسے زخمی کر دیا ہے۔ اس نے اسے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔ بڈے نے اسے کاٹنے کی کوشش کی۔ اپنے پنکھ چھوئے، لیکن لل نے اسے زمین پر نہیں پھینکا۔ آگے جا کر اسے ایک بڑے پتھر پر چھوڑ دیا۔ خود وہ پھر پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

رات ہو گئی، لیکن لل رُکی نہیں۔ چلتی رہی۔ سویرے اُس کی ٹانگوں نے ہار مان لی۔ بیٹھنا ہی پڑا، جنگلی ناشپاتی کے ایک پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں یوں بند ہوئیں جیسے سانجھ گھرتی ہے، پتہ ہی نہیں چلا دھوپ کی گرمی سے خود بخود آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک عجیب سی پھرتی کا احساس ہوا۔ حیران ہو کر وہ کھڑی ہو گئی۔ اسے لگا کہ زیادہ تر درخت اس کے جانے پہچانے ہیں۔ وہ تیزی سے چل پڑی۔ ایک موڑ مڑا تو وہ جنگل کے باہر پہنچ گئی۔ اسے پتہ چل گیا وہ پاندر بیٹھن گاؤں کے بہت پاس پہنچ گئی ہے۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے بے شک خشک سالی کے آثار تھے، لیکن لل کے لئے کھیتوں نے اپنے دامن پھیلائے ہوئے تھے۔ منڈیروں نے اسے پہچان لیا تھا۔ بچپن کی سب یادیں اسی مٹی میں بسی ہوئی تھیں۔

گاؤں کی سرحد سے لگے ایک گھر کے آنگن میں ایک عورت گائے کا دودھ دوہ رہی تھی اس وقت وہ اپنے بیٹے کے منہ میں دودھ کی گرم گرم دھار ڈال رہی تھی۔ دودھ کی دھار منہ میں ڈلواتے ڈلواتے بیٹے کی نظر گلی میں جاتی ہوئی لل پر پڑی۔ منہ کو جھٹکے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ حیران ہوتے ہوئے بولا ''ماں ماں! وہ دیکھو'' دودھ کا برتن سنبھالتے ہوئے عورت نے اُدھر دیکھا۔ وہ بھی حیران ہو کر کھڑی ہو گئی۔ کون پگلی گاؤں میں آ گئی ہے۔ نیم عریاں حالت میں۔ وہ فوراً آنگن کے پرکوٹے کے پاس آ گئی۔ نزدیک سے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دیکھ کر اس نے لل کو پہچان لیا ''ہائے ماں یہ تو لل ہے''

لل نے اس کی طرف دیکھا لیکن رُکی نہیں۔ عورت اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی ساتھ ہی اس کا بیٹا بھی۔ ایسے ہی کئی عورتیں، کئی مرد، لڑکیاں، بچے پیچھے لگ گئے۔ زیادہ تر لوگ لل کو پہچانتے تھے جو نہیں پہچانتے تھے، انہوں نے بھی اس کے بارے میں سن رکھا تھا۔ کئی اشخاص کو اس کے واکھ یاد تھے لل جب اپنے گھر کے دروازے پر آئی تو بھیڑ اس کے پیچھے تھی۔ شور سن کر ژندرا بٹ باہر نکل آیا۔

لل آنگن میں آئی تو ژندرا بٹ سامنے کھڑا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پتا کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس کے نزدیک جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بھرائے ہوئے گلے سے بولا۔ ''یہ تو نے اپنا کیا کر لیا؟''

''میں ٹھیک ہوں باپو۔ ماں کہاں ہے؟''

''بس تمہاری ہی آس لگائے بیٹھی ہے۔ تمہارے لئے اُس کی سانس اٹکی ہوئی ہے۔ اب تم آ گئی ہو تو اسے ٹھنڈک پڑے گی۔ آ'' ژندرا بٹ اُسے اندر لے جانے لگا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

لل نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

دونوں بڑی کوٹھری میں پہنچے۔

ماں کو بے ہوش دیکھ کر لل اُس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ماں نے آنکھیں کھول دیں ایک ہاتھ اُس کے سر پر اور ایک ہاتھ اُس کی پیٹھ پر رکھ کر اس نے اسے کھینچ کر سینے سے لگانے کا جتن کیا۔ ''مجھے پتہ تھا تم آؤ گی۔ شِو بھگوان سے ہاتھ جوڑ کر میں نے بنتی کی تھی۔ اُن سے کہا تھا میں لل سے ملے بنا آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔''

لل روتے ہوئے بولی۔ ''اُنہوں نے ہی مجھے کہا کہ میں تمہارے پاس جاؤں۔ ماں اب تو مجھے چھوڑ اور شِو شنکر میں دھیان لگا۔''

''اب میں اُن سے کہوں گی تھوڑا رُکو۔ بیٹی سے مل لینے دو۔''

لل بڑے بھولے پن سے بولی ''ماں جنہیں پانے کے لئے میں نے تمہیں چھوڑا، تم اُن سے انتظار کرواؤ گی؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''اب بھی تمہاری باتیں پاگلوں کی طرح ہیں''

ماں بیٹی کی باتیں سن کر ژندرابٹ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

لل کہہ رہی تھی ''دوش تیرا ہے ماں۔ تو نے پگلی کو جنم دیا۔''

''مجھے کیا پتہ تھا'' ماں بھولے پن سے بولی

''یہی میں کہتی ہوں۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ اس دنیا میں آ کر سب ریت کی رسی بٹتے ہیں۔ اُس سے بھلا کشتی کھینچی جا سکتی ہے؟ اپنے کئے کرم ہی ساتھ دیتے ہیں۔''

''میں نے ایسا کوئی کرم نہیں کیا۔''

''نہیں ماں تیری یاترا مشکل نہیں۔ تیرے سچے کرم تیرے ساتھ ہیں۔ تیرا دل پھولوں کی طرح ہلکا اور پوتر ہے۔ نیل کنٹھ کا دھیان کر.....'' اچانک لل نے دیکھا ماں کی آنکھوں کی روشنی بجھ رہی ہے۔ ذرا سا منہ بھی کھل گیا ہے۔ اُس نے ژندرابٹ کو پکارا ''باپو ماں جا رہی ہے۔ تھوڑا پانی اس کے منہ میں ڈال دو۔'' ژندرابٹ جلدی سے پانی لایا۔ لل ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ ژندرابٹ نے پانی منہ میں ڈالا۔ دو گھونٹ ہی ڈالے ہوں گے۔ پنڈتانی کی گردن ایک طرف لڑھک گئی۔

گاؤں کی عورتیں جب لل کی ماں کے جسم کو نہلا رہی تھیں تو لل ایک طرف اوٹ میں سمادھی لگا کر بیٹھ گئی۔ اُسے کچھ پتہ نہیں لگا کہ ماں کو آخر میں کون سے کپڑے پہنائے گئے، اور کب اُس کی ارتھی گھر سے نکلی۔ اُسے یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ گھر سے ارتھی نکل جانے کے بعد گاؤں کی عورتیں اُس کے سامنے بیٹھ گئی ہیں۔ عورتیں بھی کیا کرتیں۔ وہ رونا چاہتی تھیں۔ لیکن لل تو سمادھی لگا کر بیٹھی تھی، رونا پیٹنا کس کے لئے؟ اپنے اپنے گھر چلے جانے کے بجائے اُنہوں نے وہیں بیٹھ کر لل کی سمادھی ٹوٹنے کا انتظار کرنا بہتر سمجھا۔ لیکن کہاں تک؟ بہت وقت گذر گیا لیکن سمادھی نہیں ٹوٹی۔ وہ سب پریشان ہو گئیں۔ پھر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد کھل کر باتیں کرنے لگیں اچانک یہ دیکھ کر وہ چپ ہو گئیں کہ لل نے آنکھیں کھول دی ہیں۔ اُس کے منہ سے بول نکلنے لگے.....

کہوں پانچ دس گیارہ کو کیا
ہانڈی میری خالی کر گئے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اگر کھینچتے مل کر رسّی
گائے کہاں کیسے کھو جاتی؟

عورتیں بھونچکی ہوکر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ لل کی آواز میں اِتنا درد تھا کہ سب کا دل پھٹنے لگا۔ وہ تو پہلے سے بھری بیٹھی تھیں۔ وہ رونا چاہتی تھیں پھر بھی ابھی انہوں نے اپنی سانسیں کھینچ کر رکھی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھونس رہی تھیں۔

لل نے آہستہ سے کہا'' آپ رونا مت روکئے۔ پہاڑ کے اندر پانی کو راستہ نہیں ملے گا تو پہاڑ ہی پھٹ جائے گا۔''

عورتیں رو پڑیں۔ اُن کا بلاپ باندھ توڑ کر نکل آیا۔ اُس کہرام سے بچنے کے لئے لل نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ وہاں بھی کوئی ٹھور ٹھکانا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں بھی چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ روشنی کی ایک بھی کرن نہیں تھی۔ لیکن اُس وقت اندر کا وہ خلاء ماں کی آغوش کی مانند پناہ دے رہا تھا۔ اُس خلاء کی کوئی انتہا نہیں تھی کوئی آغاز نہیں تھا، کوئی تھاہ نہیں کوئی کنارا نہیں تھا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ اندھیرا بہہ رہا ہے اور وہ اس میں بہہ رہی ہے۔ یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ کس جانب بہہ رہی ہے۔ بس بہتی جارہی تھی آہستہ آہستہ اس خلاء میں اسے نادبِندو (جوہر آہنگ) کا احساس ہوا۔ کوئی ''شبد'' تھا جو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اسی کی جانب بہنے کی کوشش کرنے لگی۔ ذرا دیر بعد گمان ہوا کوئی ''لل !لل !'' پکار رہا ہے۔

ژندرابٹ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے لحاف اوڑھ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا آدھی رات گذر چکی ہے۔ شام کے وقت جب وہ گھر والی کا داہ سنسکار کر کے آیا تھا تو لل سمادھی لگا کر بیٹھی تھی۔ عورتیں رو پیٹ کر نڈھال ہوکر بیٹھی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ لل کی سمادھی ٹوٹے اور وہ وہاں سے جائیں۔ انہوں نے ژندرابٹ کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں کہ اُن کے مرد بھی لوٹ آئے ہوں گے۔

ژندرابٹ نے لل کی سمادھی میں خلل نہیں ڈالا۔ چپ چاپ نہا کر کپڑے بدلے اور لحاف اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ پڑوس والے کھانے کی دو تھالیاں رکھ کر چلے گئے۔

اس نے کھانا نہیں کھایا۔ وہ انتظار کرتا رہا لل سمادھی سے نکلے اور وہ دونوں مل کر کھانا کھائیں۔ اندھیرا ہونے لگا۔ رات یوں آئی جیسے نیند آتی ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں لیکن وہ سونا نہیں چاہتا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

تھا۔اسے ڈر تھا کہیں وہ سوتا ہی نہ رہ جائے اور لل چلی جائے۔وہ چاہتا تھا لل اب یہیں رہ جائے۔کم سے کم کچھ دن تو رہے اور کچھ نہیں تو ملے بغیر تو نہ چلی جائے ایک دو بار اُس نے لل کو ہلکی آواز میں پکارا تھا۔ یہی آواز لل کو سمادھی کے سیّال اندھیرے میں سنائی دی تھی۔

اُس نے آنکھیں کھول دی تھیں

ژندرابٹ نے پھر دھیمے سے پکارا، ''لل!''

لل نے جواب دیا، ''باپو''

ژندرابٹ کو تسلی ہوئی کہ اب وہ لل سے بات کر سکے گا۔اس نے کہا۔''میں نے تمہارے پاس رضائی رکھی ہے وہ لے لو۔''

''نہیں باپو۔مجھے ٹھنڈ نہیں لگ رہی۔''

''روٹی بھی پڑی ہے۔''

''بھوک نہیں باپو''

پھر دونوں خاموش۔اندھیرے میں ڈوبے رہے۔

''بیٹی ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''کہو باپو۔''

''اب تم جانا نہیں۔یہیں رہنا۔''

''نہیں باپو اب میں ایک ہی جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکتی۔''

''بیٹی اب میں اور کتنا جیؤں گا۔جینا چاہتا بھی نہیں۔تیری ماں کا ساتھ دینے کے لئے جی رہا تھا۔ اب وہ بہانہ بھی نہیں رہا۔اگر تم کچھ دن میرے پاس رہ جاؤ گی تو۔''

''باپو مجھے کچھ پتہ نہیں میں کب چلی جاؤں۔''

''ایسا مت کرنا بیٹی مجھے بتائے بنا نہیں جانا۔گورو مہاراج سدھ مول بھی آنے والے ہیں اُنہیں مل کر جانا۔''

لل کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔''آپ کیسے جانتے ہیں کہ وہ آنے والے ہیں؟''

''کوئی آیا تھا ان کا سندیش لیکر۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دو دن کے بعد پدم پور سے دامودر آ گیا۔

عمر کی ڈھلان پر کافی لڑھک چکا تھا۔ بال پک گئے تھے۔ چہرے پر جھرّیاں اور جُثہ بے اعتدالیوں سے خستہ حال۔ لل کے گھر چھوڑنے کے بعد اس کی دوسری شادی نہیں ہو پائی تھی۔ وہ دیو داسیوں کے چکر میں در بدر رہا۔ ہر وقت شراب میں مدہوش۔ ماں نئی بہو کی امید میں دل گرفتہ ہو کر مر گئی۔ باپو پشیمانی کے عالم میں آخری لمحوں کے انتظار میں تھے۔ وہ اس صدمے سے نکل نہیں پائے کہ انہوں نے ایک سچی دیوی کی بے عزتی اور ناقدری کی اور اسے گھر سے نکالنے کا پاپ کیا۔ جب پدم پور میں لل کی ماں کے مرنے کی خبر پہنچی تو انہوں نے دامودر کو مجبور کیا کہ وہ پاندر ٹھن جائے اور اگر لل وہاں ہو تو اس سے معافی مانگے اور اسے ساتھ لے کر آئے۔

لل نے دامودر کو پہچاننے میں اور دامودر نے لل کو پہچاننے میں وقت لگایا۔ پہچاننے کے بعد لل نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ دامودر لگاتار دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے ژندرابٹ کے پاؤں چھوئے اور وہیں بیٹھ گیا۔ پھر لل کے قریب جا بیٹھا۔ لل نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

''یہ کیا حال بنا لیا تو نے؟ تیرے پاس کپڑے نہیں کیا؟'' دامودر نے دھیمی آواز میں لل سے کہا۔

لل کچھ نہیں بولی۔ نہ اُس کی طرف دیکھا

دامودر دل ہی دل میں سوچنے لگا کیا اسے یہ بات پوچھنے کا حق ہے؟ پھر وہ سوچنے لگا کیا اسے گھر لوٹنے کے لئے کہنا چاہئے۔ وہ انہی خیالوں میں ڈوبا رہا۔ آخر کار اس نے کہہ ہی دیا ''ماں کو مرے سات برس ہو گئے۔ باپو بھی گھڑیاں پل گن رہا ہے۔ اُس نے مجھے کہا کہ لل کو واپس گھر لے آؤ۔''

لل نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسی باتیں کر رہا ہے۔ وہ اسے پاگل سا لگا۔ بے انتہا بے شرم اور گستاخ ہو کر دامودر نے پھر کہا ''تم پدم پور چلو گی؟''

کوئی اور موقع ہوتا تو لل زور سے ہنستی۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

دامودر سمجھ گیا اب وہاں بیٹھے رہنے کا کوئی مطلب نہیں۔ شراب کے لئے من میں ہُڑکا لگا ہوا تھا۔ اٹھنے سے پہلے اچانک ایک یاد سی کوندی۔ وہ لل کے اور بھی قریب جا کر بولا ''میں نے تمہارے واکھ سنے ہیں۔ میری سمجھ میں تو کم ہی آئے۔ کیا تم میرا گڑھا ہوا واکھ سنو گی؟''

لل نے منہ پھیر لیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دامودر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ اس جگہ کی تلاش کرنے لگا جہاں شراب میسر ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی تنگ گلی میں جانے ہی لگا کہ اس نے دور سے گوروسدھ مول کو دیکھا۔ وہ لل کے گھر کی سمت ہی جا رہے تھے۔ دامودر سوچ میں پڑ گیا۔

اُدھر گوروسدھ مول ژندرابٹ کے گھر کے دروازہ پر پہنچے دروازہ کھلا ہی تھا۔ وہ آنگن کے بیچ جا کھڑے ہوئے۔ وہ حیران رہ گئے جب انہوں نے اندر سے لل کو تیزی سے باہر آتے دیکھا۔ انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ لل یہاں ہوگی۔ لل ان کے چرنوں میں گر پڑی انہوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا کر آشیرواد دیا۔ ژندرابٹ نے بھی باہر آ کر پرنام کیا اور انہیں اندر لے چلا۔

گوروسدھ مول کو یہ جان کر دُکھ ہوا کہ پنڈتانی کا دیہانت ہو گیا۔ بہت دیر تک وہ چپ رہے۔ ژندرابٹ نے پورا احوال سنا کر آخر میں کہا ''گورو دیو آپ لل سے کہیں وہ اب یہیں رہے۔ میں تو اب گھڑی پل کا مہمان ہوں۔ میں چلا جاؤں گا تو اس گھر کو کون سنبھالے گا؟'' گوروسدھ مول کو بات جچی نہیں۔ بولے ''ژندرابٹ زندگی کے آخری کنارے پر آ کر بھی تمہیں گھر کی فکر لگی ہے۔ جب تم نہیں تھے تو کون اس گھر کو سنبھالتا تھا؟''

''میرے باپو زندہ تھے تب'' ژندرابٹ نے دلیل دی

''اُن سے پہلے کون تھا؟''

''اُن کے باپو۔ میرے دادا جی''

''اور اُن سے پہلے؟''

''کوئی تو ہوگا''

''ایسے ہی تمہارے بعد کوئی تو ہوگا۔''

''کوئی بے گانہ یہاں آ کر رہا تو ہمارا کیا فائدہ؟''

''اس دنیا میں کوئی بے گانہ نہیں۔ سب کے اندر شِوشنکر موجود ہیں۔''

''مجھے لگتا ہے شِوشنکر ہم سے الگ ہیں؟''

''سارا جھمیلہ اسی سمجھ کا ہے۔''

''گورو دیو مرنے کے بعد جب یہ سمجھ بھی نہیں رہتی تو سب کچھ شِوشنکر میں ہی جا ملتا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ہے۔'' ژندرابٹ نے اپنے تجربے کی بات کی۔

سدھ مول بولے ''نہیں۔موت کے وقت اپنے کرموں کے مطابق اگلا جنم ہوتا ہے۔لیکن جو مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں اصلی نجات انہیں ہی ملتی ہے۔وہ شوشنکر سے جا ملتے ہیں۔''

''کوئی جیتے جی بھی مرتا ہے؟''

''ہاں۔جن کو یہ احساس ہو کہ ہم یہاں اس دنیا میں رہ کر بھی یہاں نہیں ہیں''

ژندرابٹ کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔اس نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔اسے پکا یقین تھا کہ گورودیو کبھی جھوٹ یا غلط نہیں بولتے۔

گورودیو کی بات سن کر لل کے دل میں اِنتشار پیدا ہو گیا۔وہ بے قرار ہو گئی۔اس نے اضطراب پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن خود سے ہی مجبور ہو کر کانپتی ہوئی آواز میں بولی ''گورودیو مجھے کئی بار محسوس ہوتا ہے کہ میں ہوں ہی نہیں''

لل کی بات سن کر سدھ مول کمل کے مانند کھل اٹھے۔یہ جان کر کہ لل یہاں تک پہنچ گئی ہے ان کا دل گداز ہو گیا۔پھر بھی لل نے جو کہا وہ آغاز تھا۔لل نے ابھی اس زمین پر قدم رکھا ہی تھا۔انہیں معلوم تھا لل کو ابھی بہت آگے جانا ہے۔انہوں نے پوچھا۔''لل یہ کون ہے جو کہہ رہا ہے میں ہوں ہی نہیں؟''

''میں.....لل''

''اس کا مطلب ہے کہ لل ہے، جو کہہ رہی ہے کہ میں نہیں ہوں''

گورودیو کی بات سن کر لل تڑپ اُٹھی۔دل پر شدید چوٹ لگی۔کبھی کبھی اپنے نہیں ہونے کا احساس کر کے بھی وہ اپنے وجود سے جڑی ہے۔وجود ہے اسی لئے تو وہ ماں سے ملے بنا نہیں رہ سکی۔وہ آئی ہے یا لل آئی ہے؟ لل آئی ہے۔اُس کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔''گورودیو یہ لل میرا پیچھا کب چھوڑے گی؟''

''جیسے اپنے ہونے سے چھوٹنا ہوتا ہے ویسے نہیں ہونے سے چھوٹنا ہوتا ہے، نہیں ہونے کا جو علم ہے اُس کے ساتھ بھی آدمی بندھ جاتا ہے۔لکڑی جل جاتی ہے لیکن وہ راکھ کے روپ میں باقی رہتی ہے۔''

''اس راکھ کا وجود کب ختم ہوگا گورودیو؟''

سدھ مول چپ ہو گئے۔انہوں نے لل کی طرف دیکھا۔اُس کی آنکھوں میں گہرا درد تھا۔یاسیت تھی۔اضطراب تھا۔اُس وقت وہ ایک سلگتے کوئلے کے مانند تھی۔کوئی خیال بھی اسے چھوتا تو جل جاتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

گورو کا دل بھی تڑپنے لگا۔ آنکھیں بند کیں تو خود کے درون میں ہزار تلاطم اُمڈتے نظر آئے۔ گھبرا کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ لل پھر پوچھ رہی تھی ''گورودیو! اِس راکھ کا وجود کب ختم ہوگا؟'' اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔

سِدّھ مول انتہائی مضطرب آواز میں بولے ''بیٹی تیری اِس بات کا جواب میرے پاس نہیں۔ مجھ میں اتنی توفیق ہی نہیں۔ میں ابھی بھی علم اور لاعلمی سے بندھا ہوا ہوں۔ میری حسیات بہت پیچھے ہیں۔ پھر بھی میں نے جو پڑھا ہے اور اپنے گورو سے جو پڑھا اور سیکھا ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جب تو شو اور شکتی کو ایک دیکھے گی، ان کا سنگم دیکھے گی تب تو ہونے اور نہیں ہونے.....ان دونوں مقاموں سے آگے نکل جائے گی.....''

''اور میرا وجود.....''

''اُس وقت تمہارا وجود شِو اور شکتی کی لیلا میں سما جائے گا۔''

''آہ! کب وہ وقت آئے گا گورودیو! کب وہ وقت آئے گا؟'' کہتے کہتے رو پڑی۔ گورو سِدّھ مول نے اپنے کانپتا ہوا ہاتھ اُس کے سر پر رکھ دیا۔

ژندرابٹ اپنی بھولی بھالی نازک بیٹی کو روتے دیکھ کر بے چین ہوگیا۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ اُن کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

لل سِسک سِسک کر رو رہی تھی۔

سدھ مول بولے ''میں اب جاؤں گا بیٹی۔ کہہ نہیں سکتا اب کبھی ہم مل سکیں گے یا نہیں۔ میرا آشیرواد ہے کہ شِو شنکر تب تک تیرا آسرا بنے رہیں جب تک تو اُن تک نہیں پہنچ جاتی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں تو واکھ گڑھتی چل، گاتی چل۔ یہ انہی کی دین ہے۔ اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ تیرے واکھ مجھ تک بھی پہنچ جاتے ہیں تیرے واکھ سورج کی کرنوں کی طرح ہمیشہ نو بہ نو جھلملاتے رہیں گے۔ اُن میں تیری دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ آج کا وقت بھی دھڑکتا رہے گا''

اُسی وقت دامودریوں اندر آیا جیسے کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔ نشے میں وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں وہ باہر دروازے کے پاس کھڑا اُن کی باتیں سن رہا تھا اور شراب بھی پیتا جا رہا تھا۔ ان کی باتیں سن کر وہ غصے میں تھا۔ اُس کے لئے وہ بے معنی باتیں تھیں۔ نشہ بڑھنے کے ساتھ قوتِ برداشت بھی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ختم ہوگئی تو اُسے اندر آنا ہی پڑا۔ آتے ہی اُس نے کہنا شروع کر دیا ''گورو جی معاف کرنا، پرنام کرتا ہوں ۔آپ کو یاد ہوگا۔ ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔ کتابیں لینے آئے تھے آپ۔ اُن کتابوں کی وجہ سے ہی اس عورت کی عقل کو تالے لگ گئے ہیں۔ دیکھئے کیا حال بنالیا اس نے۔ واکھ گڑھتی ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتے۔ پھر بھی آپ اسے کہہ رہے ہیں یہ واکھ گڑھتی رہے۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں میں بتاتا ہوں آپ کو مجھ سے سنئے واکھ، یہ میں نے گڑھا ہے۔''

سب چپ تھے۔

دامودر انتہائی ناشائستہ ڈھنگ سے سنانے لگا۔

سورج سی روشنی نہیں کوئی
تیرتھ نہیں ہے گنگا جیسا
بھائی جیسا کوئی نہیں ناطہ
سکھ نہیں کوئی بیوی جیسا

واکھ سناتے ہوئے بھی لڑکھڑا رہا تھا۔ سنانے کے بعد وہ اُن کی طرف اپسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ''یہ ہوتا ہے واکھ'' جب اُس نے دیکھا کوئی کچھ نہیں بول رہا تو خود بولنے لگا۔ ''مہاراج میرا واکھ بالکل سچا ہے۔ میرے دل سے نکلا ہے۔ آپ ہی بتایئے دنیا میں کوئی پتنی جیسا سکھ ہے؟ میں اسی لئے لل کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اس نے بہت بھنک کر دیکھ لیا۔ بہت دھول پھانک لی۔ دیکھو کیا حال ہو گیا۔ گورو دیو مہاراج آپ کی بات یہ مانے گی۔ آپ ہی کہیں گے تو میرے ساتھ چلے گی۔'' اُن تینوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس شیطان سے کیسے پیچھا چھوٹے وہ تو چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ لل کو ساتھ لے جانے والی بات کا کوئی مطلب نہیں تھا۔ بکواس کرتے کرتے وہ لڑکھڑا بھی رہا تھا۔ اُس سے بچنا بھی کیسے؟ گورو دیو اُٹھے اور اُسے سہارا دے کر اپنے پاس بٹھایا۔ اور بولے ''تمہارا واکھ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ ویسا ہی ایک واکھ میں بھی سناتا ہوں۔ سنو.....

آنکھوں سی روشنی نہیں کوئی
تیرتھ نہیں ہے ٹانگوں جیسا
ناطہ نہیں جیب سا کوئی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

چادر سا سکھ کون بھلا دے

گوروسدھ مول کا واکھ سن کر دامودر ایک دم اُچھل پڑا میں تو یہی مانتا ہوں گورودیو! میں تو یہی مانتا ہوں۔ آپ نے کمال کر دیا۔ کمال! یہ کہہ کر وہ گورودیو کے پیروں پر گر پڑا۔ لیکن وہاں سے اُٹھنے کی سکت اُس میں نہیں تھی، وہ نشے میں بکتا جا رہا تھا، ''میری اور لل کی آنکھوں میں روشنی ہی روشنی ہے۔ ٹانگوں میں کتنی طاقت ہے۔ وہ تو چلتی ہی رہتی ہے اور میں بھی چلنے میں کم نہیں ہوں'' اتنا کہہ کر اُس نے پوری طاقت لگائی اور جھولتے جھولتے کھڑا ہو گیا۔ وہ اب بھی بولتا جا رہا تھا ''جیب میں مال ہے تو پھر کیا کمی؟ مجھے اس بات کا پکا یقین ہے۔ آپ نے کہا چادر جیسا کوئی سکھ نہیں۔ گورودیو ہمارے گھر میں چادروں کمبلوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپ کی سب باتیں سچی ہیں۔ دل کو بھاتی ہیں۔ آپ لل سے کہئے میرے ساتھ چل پڑے۔ اب اسے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

ان تینوں کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ اس بلا سے کیسے چھوٹیں۔ لل گورودیو کی طرف اور گورودیو ژندرابٹ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ژندرابٹ کو ہتک محسوس ہو رہی تھی اُسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ جب دامودر چپ ہوا تو لل اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بولی.....

سچ کی ہے پہچان روشنی
سچا پیار ہی سچا تیرتھ
سچ کا رشتہ اصلی رشتہ
ڈرنا اُس سے سُکھ کا کارن

یہ واکھ بول کر لل وہاں سے نکل گئی۔ گوروسدھ مول، ژندرابٹ، دامودر سب دیکھتے رہ گئے۔ کچھ لمحوں کے بعد گورو جی بھی باہر نکل گئے۔ انہوں نے لل کو گلی پار کرتے دیکھا۔ انہوں نے اسے پکارا نہیں۔ وہ جانتے تھے لل اب رُکے گی نہیں۔ وہ اُسے زیادہ سے زیادہ دیکھنا چاہتے تھے۔

گلی سے نکل کر لل کھیتوں کی طرف چل دی۔ وہاں سے آگے جنگل ہی جنگل تھا۔ سدھ مول بھی کھیتوں تک چلے گئے۔ وہ لل کو دُور تک جاتے دیکھتے رہے۔ جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ ان کے منہ سے نکلا ''تم راکھ ہو چکی ہو لل تمہاری راکھ بھی جلدی فنا ہو جائے گی۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

پوس اور ماگھ کے سوکھے کہرے کے بعد بھی نہ بارش ہوئی نہ برفباری۔ اب تو بیساکھ بھی بیتنے لگا۔ جن پہاڑوں پر بارہوں مہینے برف جمی رہتی تھی وہ بھی ننگے تھے۔ چوٹیاں بے مایہ اور بدصورت لگنے لگیں۔ ندیاں نالے بن گئیں۔ نالوں کے نشان رہ گئے۔ کھیتوں کا لہو نچڑ گیا۔ ان کی ہڈیاں نکل آئیں۔

ایسی قحط سالی کبھی نہیں دیکھی تھی لوگوں نے غریب غربا دانے دانے کو ترس گئے۔ مال مویشیوں کو گھروں سے کھدیڑ دیا گیا۔ بچے ایک ایک لقمے کو ترس گئے۔ نومولود بچوں نے دودھ کے ایک ایک قطرے کے لئے ماؤں کی چھاتیاں بُرک بُرک کر زخمی کر ڈالیں۔

چھوٹے چھوٹے بچے خشک جنگلوں میں گھومتے رہتے کہ کہیں کوئی ہرا پتا ملے تو چبالیں ایک بچہ گھومتا پھرتا اُس درخت کے نزدیک پہنچا جس کے کھوکھلے تنے کے اندر لل سکڑ کر سوئی تھی۔ اسے دیکھ کر بچہ ڈر گیا۔ وہ بھاگا۔ گاؤں کا ایک بوڑھا شخص اُس طرف سے گذر رہا تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا کہ وہ کیوں بھاگ رہا ہے۔ لڑکا اس کو اسی پیڑ کے پاس لے گیا۔ بوڑھے نے دھیان سے دیکھا تو وہ لل کو پہچان گیا۔ وہ گاؤں کے بہت سے لوگوں کو بلا کر لے آیا۔ ان سب نے لل کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ کئی لوگوں کو اس کے واکھ بھی یاد تھے۔ انہوں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ لل کی دعائیں کارگر ہوتی ہیں۔ دلوں میں نئی امید لے کر وہ سب اس پیڑ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور لل کے جاگنے کا انتظار کرنے لگے۔

ڈھوپ ڈھلنے لگی تو لل کی آنکھ کھلی۔

وہ اب بوڑھی ہوگئی تھی۔ بہت دنوں سے اُس نے کچھ کھایا نہیں تھا۔ وہ گھسٹی ہوئی اس گپھا کے باہر آئی تو اتنے لوگوں کو وہاں اکٹھا دیکھ کر گھبرا گئی۔ اسی بوڑھے شخص نے ہاتھ جوڑ کر کہنا شروع کیا۔ ''للیشوری مائی ہم سب تمہیں نمسکار کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ شِوشنکر مہاراج تمہاری پرارتھنا سنتے ہیں۔ تم ہم پر مہربانی کرو۔ ان سے کہو کہ وہ بادل برسائیں۔ اگر ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو ہمیں معاف کریں۔ اپنا سراپ واپس لیں۔ ہمارے بچے بھوک سے مرنے لگے ہیں۔ فصلیں برباد ہوگئیں۔ مال مویشی ختم ہوگئے۔''

لل کو معلوم تھا قحط سالی ہے۔ لیکن لوگوں کو حالت ایسی ہوگئی ہے جان کر اس کا دل کانپ اٹھا۔ اس نے بھیگی ہوئی آواز سے کہا ''شِو میری کیا سنیں گے۔ میں بھی کتنے دنوں سے بھوکی پیاسی ہوں۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ایک اور بوڑھے شخص نے کہا ''دیوی اگر شِو شمبھو تیری نہیں سنیں گے تو ان کے آگے سر کون جھکائے گا؟''

لل نے جواب دیا ''وہ چاہے کچھ بھی کریں سر تو سبھی کو اُنہی کے آگے جھکانا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ جیسے شکوہ کر رہی ہو۔ پھر وہ اچانک ایک طرف چل دی اس کی چال میں لرزش تھی۔ ناتوانی تھی۔ اس کے جسم پر اتنی ہی دھجیاں باقی رہ گئی تھیں۔ جتنی کم سے کم ضروری تھیں سر پر بال نہیں جٹائیں گتھی ہوئی تھیں۔

لوگ بھی بے اختیار اُس کے پیچھے چل پڑے۔ وہ لاچار تھے۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔ ہمت بھی نہیں تھی کچھ کرنے کی۔ وہ لل کے پیچھے یوں چل رہے تھے جیسے سیلاب میں تیلے تنکے بہتے ہیں۔ لل کو پا کر اُن کی مری ہوئی اُمید میں جان آ گئی تھی۔ اب تو بارش کے لئے کسی معجزے کی ضرورت تھی لیکن لل جا کہاں رہی تھی؟ اُس نے تو اُنہیں پیچھے آنے کے لئے بھی نہیں کہا تھا۔

چلتے چلتے لل ایک جگہ گرنے لگی۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پاس ہی ایک درخت کا ٹھنٹھ تھا اس پر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے بیٹھتے بھی ڈول گئی۔ لوگ ڈر گئے۔ دو عورتوں نے آگے آ کر اسے سہارا دیا۔ ایک نے پوچھا ''مائی تم اس طرف کہاں جا رہی ہو؟''

لل بولی ''جنگل کے باہر کھیتوں کی طرف۔ وہاں بیٹھ کر شِو سے پرارتھنا کروں گی۔ میں اُن سے کہوں گی اگر انہوں نے دنیا کو ہی ختم کر دیا تو ان کا نام کون لے گا؟'' یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پھر چلنا شروع کر دیا۔ عورتوں نے اسے سہارا دے رکھا تھا۔

جنگل کے باہر پہنچ کر لل نے دیکھا دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت سوکھے میدانوں کی طرح ہو گئے تھے۔ بے چارگی کی دھول اڑ رہی تھی۔ جگہ جگہ مرے ہوئے مویشی پڑے تھے۔ وہ ایک ٹوٹی ہوئی منڈیر پر بیٹھ گئی۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ سبھی اطراف میں آگ میں جھلسنے کا گمان ہو رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''شِو شمبھو یہ کیا کرنے لگے تم؟ اِن بے چاروں کو دُکھ دے کر خود بھی دُکھی ہو جاؤ گے۔ اِن کے سب دُکھ مجھے دے دو۔ میں اُف نہیں کروں گی۔ اِنہیں معاف کر دو۔''

سب طرف دھوم مچ گئی کہ شو کی بھگتن للیشوری نے پرارتھنا کی ہے۔ اُنہیں بارش برسانے کے لئے کہا ہے۔ لوگوں میں جوش بھر گیا۔ زندگی لوٹ آئی۔ دُور دُور سے لوگ لل کے درشن کرنے آنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل کو پرنام کرتے اور وہیں بیٹھ جاتے۔لل سمادھی میں بیٹھ گئی تھی۔ایک دن گذر گیا۔دوسرا بھی گذر گیا۔ تیسرے دن سبھی بے قرار ہو گئے۔گھبرا گئے۔آسمان ویسے کا ویسا ہی جل رہا تھا۔بادلوں کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔

اچانک بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

سب لوگ چونکے۔بے چین ہو کر کھڑے ہو گئے۔

لل کی سمادھی بھی بھنگ ہو گئی۔اُس نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

لیکن بادل تو کہیں بھی نظر نہیں آرہے تھے۔آسمان پر چاروں طرف دھوپ نے الاؤ جلا رکھے تھے۔سب حیران تھے کہ بادلوں کی گرج کہاں سے آرہی تھی۔

آہستہ آہستہ سب کی سمجھ میں آنے لگا یہ بادلوں کی گڑگڑاہٹ نہیں۔یہ تو جنگل میں کہیں بہت سے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔دیکھتے دیکھتے دس بارہ گھوڑے جنگل سے باہر نکلتے دکھائی دیئے وہ سبھی اسی طرف آرہے تھے جہاں لوگ لل کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔گھوڑ سواروں کو دیکھتے ہی لوگ ڈر کر یہاں وہاں بھاگنے لگے۔وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ شاہی سوار ہیں۔

سواروں میں سب سے آگے چندراڈامر تھا۔اُس نے اپنا گھوڑا روکا تو پیچھے تمام سوار رُک گئے۔ڈر کر بھاگ رہے ایک شخص کو ڈانٹ کر اس نے کہا ''ٹھہرو''۔وہ ٹھہر گیا لیکن اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔چندراڈامر نے کڑک دار آواز میں پوچھا ''اس طرف ہمارے شہزادہ صاحب تو گھوڑے پر بیٹھے ہوئے نہیں گذرے؟''

''نہیں مہاراج مجھے معاف کرو۔میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔''

''یہاں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں''

''مہاراج ہم سب لل کے پاس بیٹھے ہیں''

''کون لل؟''

''شِو کی بھگتن ہے۔واکھ گاتی ہے۔اُس نے شِو سے پرارتھنا کی ہے کہ بارش آئے اور سراپ دور کریں۔''

چندراڈامر نے دور سے ہی لل کو دیکھا۔وہ اپنے گھوڑے کو اس طرف لے گیا۔کچھ لوگ جو وہاں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

موجود تھے وہ بھی منتشر ہونے لگے۔

لل کو دیکھ کر چندراڈامر حیران رہ گیا۔ کوئی پاگل عورت ہی اتنے کم کپڑوں میں اتنے لوگوں کے سامنے آسکتی ہے۔ لیکن جس ڈھنگ سے وہ گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ پاگل نہیں لگتی تھی۔ اُسے اتنا تجربہ تو تھا ہی کیونکہ وہ کشمیر کے مستقبل میں بننے والے سلطان کا خاص الخاص تھا۔

گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی اُس نے پوچھا ''کون ہو تم؟''

لل کچھ نہیں بولی۔

''سنا نہیں؟ کون ہو تم؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

لل پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

ساتھ ہی کھڑے ایک شخص نے ادب سے جھکتے ہوئے کہا ''مہاراج یہ للیشوری ہے یہ واکھ گاتی ہے۔ اس کے واکھ ہم سب گاتے ہیں۔''

چندراڈامر گھوڑے سے اُترا اور لل کے پاس آ گیا۔ بولا ''اس کے واکھ میں نے بھی سنے ہیں'' اس نے ہاتھ جوڑ کر لل کو پرنام کیا اور کہنے لگا۔ ''مجھے بھی تمہارا آشیرواد چاہیئے''

لل نے آہستہ سے اپنی کمزور آواز میں کہا ''میرے آشیرواد سے کچھ نہیں ہوگا۔ سب شِو کی لیلا ہے جو وہ چاہیں گے وہی ہوگا۔''

''ہم صبح سے شہزادہ شراشمک کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ شکار کھیلتے کھیلتے وہ ہم سے الگ ہو گئے۔ ہمیں بتائیں وہ کس طرف ہیں۔''

لل نے کہا ''آج کل شکار کھیلنے کی کیا ضرورت ہے؟ جگہ جگہ جانور بھوکے پیاسے مرے پڑے ہیں۔''

چندراڈامر کو بات چبھ گئی۔ اُسے اُمید نہیں تھی کہ سامنے بیٹھی ہوئی نیم عریاں بڑھیا اس پر طنز کر کے اُس کی بے عزتی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ جانتا جس حد تک اُس کا حکم چلتا ہے بڑھیا اس سے باہر ہے۔ اپنی خفت کو چھپانے کے لئے اسے کہنا پڑا مائی تمہیں پتہ نہیں سلطان نے لوگوں کے لئے اپنے بھنڈار کھول دیئے ہیں۔''

''اتنے لوگ یہاں کھڑے ہیں کیا کسی کو سلطان کے بھنڈار کا ایک دانہ بھی ملا ہے؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''اتنی دُور اناج پہنچانا آسان نہیں''

''اتنی دُور شکار کھیلنے پہنچا جا سکتا ہے لیکن لوگوں کو اناج دینے کوئی نہیں آتا۔''

بے ساختہ چندراڈامر کا ہاتھ تلوار کے دستے تک جا پہنچا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ لل نے اسے لاجواب کر دیا تھا، لیکن حد سے زیادہ کڑوے گھونٹ پینا اس نے نہیں سیکھا تھا۔ وہ لل کو قتل بھی کر دیتا تو اسے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی وقت عجیب سا شور سن کر اس نے جنگل کی طرف دیکھا۔ دوسرے سب لوگ بھی اُدھر دیکھنے لگے۔ لل بھی دیکھ رہی تھی۔

پانچ سات لوگ کسی شخص کو مارتے پیٹتے اور بری طرح کھینچتے ہوئے اسی طرف لا رہے تھے۔ اونچی آواز میں اسے گالیاں دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے جب لل کے پاس شاہی سواروں کو دیکھا تو وہ رُک گئے۔

لل اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان لوگوں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ چندراڈامر بھی اپنے گھوڑے کی باگیں تھامے وہیں آ گیا۔ لل دیکھ رہی تھی کہ لوگ جس شخص کو پیٹتے گھسیٹتے لا رہے تھے وہ بونا تھا۔ اس کا سر چھوٹا تھا۔ پیشانی بڑی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں۔ ہونٹ موٹے اور بھدّے ناک چھوٹی اور چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں۔ وہ بہت ہی بے ہنگم اور بدصورت تھا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا، خوف زدہ تھا اور رو رہا تھا۔

لل نے پوچھا ''تم لوگ اسے کیوں مار رہے ہو؟''

ایک شخص نے آگے آ کر کہا ''میں نے اپنی آنکھوں سے اِسے مرے ہوئے جانور کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' دوسرے شخص نے کہا، ''کئی دن سے کھا رہا تھا۔''

سبھی لوگ سکتے میں تھے۔

لل اُس بونے کو دیکھے جا رہی تھی

بونے نے رونا بند کر دیا تھا۔

لل بولی ''آج سبھی لوگ بھوکے پیاسے ہیں۔ کھانے کو کچھ بھی نہیں مل رہا۔ اگر اس نے بھوک سے مجبور ہو کر مرے ہوئے جانور کا گوشت کھا لیا تو اس میں اس کا کیا دوش ہے۔ اسے مارنے سے کیا فائدہ؟''

لل کی بات سن کر بونا پھر رونے لگا اور روتے روتے بولا ''میں بہت دنوں سے بھوکا تھا۔ پہلے گاؤں کے کسی نہ کسی گھر سے مجھے کھانے کو مل جاتا تھا۔ اب مجھے دینے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں۔ اب تو کسی

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کے گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا۔ سب بھوکے تو مجھے کوئی کیا دے گا؟ میں چوری چوری اُس جانور کا گوشت کھانے لگا۔ وہ تو پہلے سے مرا ہوا تھا۔ میں نے اسے نہیں مارا۔ پھر لوگ مجھے کیوں مار رہے ہیں؟''

اس کی بات سن کر سب پر سناٹا چھا گیا تھا۔

لل نے آگے آ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور اس کے بال سہلانے لگی۔ اس کے پیار سے بونا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

چندراڈامر نے لل سے کہا ''للیشوری۔ اپنے شوشنکر سے کہو اب بہت ہو گیا۔ لوگ مرے ہوئے جانوروں کا گوشت کھانے لگے ہو سکتا ہے آگے وہ ایک دوسرے کو کھانے لگیں۔'' یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور پھر بولا ''مائی اگر شو نے تیری دعا قبول کر لی تو میں شہزادہ شراشمک کو ساتھ لے کر تیرے پاس آؤں گا۔ تیرا آشیرواد ہم سب کو چاہیئے''۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے چل پڑا۔ دوسرے گھوڑسوار بھی پیچھے پیچھے چل پڑے۔

رات بہت زیادہ تاریک تھی۔ ہوا میں خشک سردی کی شدت بڑھ رہی تھی۔ کھیت کی مُنڈیر سے ٹیک لگائے لل آدھی پسری ہوئی تھی۔ ساتھ ہی سوکھے گھاس پتوں کا بچھونا بنا کر بونا لیٹا ہوا تھا۔ اسے بیچ بیچ میں نیند آ جاتی تھی۔ زیادہ تر وہ جاگ رہا تھا۔

لل نے پوچھا ''تجھے بھوک نہیں لگی؟''

''لگی ہے'' بونے نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

''جا کر کچھ کھا لے''

''کیا کھاؤں؟''

''وہ اُدھر نالے میں ایک جانور ہے پڑا ہوا''

''میں نہیں کھاؤں گا''

''کیوں؟''

''لوگ پھر ماریں گے''

''نہیں ماریں گے۔ میں انہیں سمجھاؤں گی۔''

''آپ انہیں کیا سمجھائیں گی؟''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''میں کہوں گی جب کھانے کے لئے کچھ نہ ہو۔اس وقت کوئی بھی انسان جسے بھوک برداشت نہیں ہورہی ہو مرے ہوئے جانور کا گوشت کھا سکتا ہے۔''

''لوگ نہیں مانیں گے آپ کی بات۔''

''نہیں مانیں، مجھے کیا۔''

''میں نہیں کھاؤں گا۔''

''تمہاری مرضی۔''

پھر دونوں چپ ہو گئے۔

رات اور سرد ہوتی جارہی تھی۔

لل آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی دھیمی آواز میں بولی ''میں نے تو آدمی کا گوشت بھی کھایا ہے۔''

''مائی اِتنا بڑا جھوٹ مت بولو۔''

''میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں ہر وقت اپنے آپ کو کھاتی رہتی ہوں۔ میں آدمی ہوں۔ میری عمر ہر وقت کم ہوتی جارہی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے آپ کو کھا رہی ہوں۔'

بونے کو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولا ''مائی بھوک بڑی بُری چیز ہے''

''تم سچ کہہ رہے ہو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بھوک کو شِو شمبھو نے پیدا کیا ہے۔''

''کیوں پیدا کیا اُس نے بھوک کو؟''

''یہ تو وہی جانیں۔''

''کتنا اچھا ہوتا اگر بھوک نہیں لگتی۔''

''جسے بھوک لگتی ہے اس کے اندر بھی شِو ہے اور جسے وہ کھاتا ہے اس کے اندر بھی شِو ہے۔''

بونا کچھ سوچتے ہوئے بولا ''کیا میرے اندر بھی شِو ہے؟''

''ہاں تمہارے اندر بھی ہے۔''

بونا زور زور سے ہنسنے لگا۔ وہ ہنسی روک نہیں پا رہا تھا۔اس اندھیرے سرد سناٹے میں اس کی ہنسی کی آواز ہیبت ناک لگ رہی تھی۔لل پریشان ہو کر بولی ''تم اتنا کیوں ہنس رہے ہو؟''

''آپ کی بات سن کر۔'' بونا ہنستے ہنستے بولا۔''میرے جیسے بے ڈھنگے بدصورت بونے کے اندر شِو

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

جی مہاراج کیسے رہ سکتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر پتہ نہیں کیوں لل بھی ہنس پڑی۔ اسے ہنستے دیکھ کر بونے کی ہنسی رُک گئی۔ لل بولی۔ ''میری ایک بات کا جواب دے اگر تو اپنے ہاتھ سے ایک کھلونا بنائے اور غلطی سے وہ ٹیڑھا میڑھا بن جائے تو تو کہے گا وہ تیرے ہاتھ سے نہیں بنا؟ تو یہ بات مت بھول کہ تجھے شِو نے بنایا ہے اگر تو ہنسے گا تو سمجھ شِو کا بنایا ہوا کھلونا شِو پر ہنس رہا ہے۔''

''آدمی سے بھول ہو جاتی ہے بھگوان سے کیسے ہوگئی؟''

''یہ تو وہی جانے''

''مائی مجھے یہ بتاؤ اُنہوں نے مجھے بنایا کیوں؟''

''تیرے اندر رہنے کے لئے۔ اُنہیں بھی تو کوئی گھر چاہئیے۔''

''اُنہیں رہنا تھا تو سوچ سمجھ کر کوئی اچھا گھر بناتے۔''

''اُن کے لئے سبھی گھر ایک جیسے ہیں۔''

دونوں پھر خاموش ہو گئے۔

اندھیرا کُہرے کے قطروں سے بھاری ہوتا جا رہا تھا۔

بونا پھر بول پڑا، ''مائی آپ سچ کہہ رہی ہیں میرے اندر شو جی مہاراج ہیں؟''

اُس کا سوال سن کر لل کا دل تڑپ اٹھا۔ اندر ہی اندر اسے کسی نے چیر دیا۔ گہرا زخم تھا۔ کیا جواب دے؟ اس سوال کا جواب پانے کیلئے ساری عمر در بدری میں گذار دی۔ میرے اندر جس گھر میں رہتے ہیں مجھے وہاں سے باہر نکال دیا۔ میرا گھر، میں باہر وہ اندر۔ میں اُن کے لئے جگہ جگہ بھٹک رہی ہوں۔ میرے اندر رہ کر بھی مجھے نہیں ملتے۔ لل کی آنکھیں بھر آئیں وہ رونے لگی۔

بونا حیران پریشان۔ اس نے مائی کو رلا دیا۔

''مائی میں نے کوئی غلط بات پوچھی؟ رہنے دو۔ کیا فرق پڑتا ہے یہ جان کر کہ وہ میرے اندر ہیں یا نہیں'' وہ دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا۔ سوکھے ہوئے پتے جن پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کی سانسوں سے ہل رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا۔

لیٹے لیٹے لل کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بے شمار اندھیرے سناٹوں میں سے گذرنے لگی۔ بیشمار اندھیرے سناٹے اس میں سے گذرنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دھوپ کی تپش محسوس ہوئی تو بَونے کی آنکھ کھل گئی۔ سوکھے پتوں کو اپنے اوپر سے جھاڑتے ہوئے وہ بیٹھ گیا۔ دیکھا تو لل سادھی لگا کر بیٹھی تھی۔ وہ ٹکٹکی لگا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے لگا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوگئی ہے۔ اس کے ماتھے اور ناک پر دھوپ چمک رہی تھی۔ لل کے رنگ میں رنگ کر دھوپ لال ہوگئی تھی۔ بونے کی نظر اس پر جمی رہی۔ اس کی نظر بھی جیسے لال ہونے لگی۔ ہر طرف جیسے وہی لال رنگ بکھر گیا تھا۔ جنگل لال، پہاڑ لال، آسمان لال۔ دُور آسمان کی ایک نکڑ میں لال رنگ بہت زیادہ گہرا ہوگیا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ لال رنگ چھلکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بادلوں کے کچھ ٹکڑے تھے۔ وہ سورج کے لالی سے اتنے لال ہو چکے تھے کہ رنگ کی لہریں ان میں سے نکلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ بَونے کو کئی مہینوں کے بعد آج بادل نظر آئے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنی نظر کو وہاں سے ہٹایا۔ لل کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ لل کے ماتھے پر جو لالی ہے اس کا تعلق اُن چھوٹے چھوٹے بادلوں کے ساتھ ضرور ہے۔ اس نے بادلوں کی طرف دیکھا۔ اسے لگا کہ بادل اب کچھ بڑے ہوگئے ہیں۔ وہ ایک دم اُچھل پڑا۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ لل کو جھنجھوڑ کر اس کی سادھی توڑ دے اور اسے بتائے کہ تمہاری پرارتھنا شِو جی نے سن لی ہے۔ اسی اثنا میں بادل اور بھی بڑے ہوگئے تھے۔ وہ گاؤں کی طرف بھاگا۔

وہ چلا رہا تھا۔ ''دیکھو! دیکھو! بادل آگئے۔ بادل چھا گئے''۔ اس کا شور سن کر لوگ گھروں سے باہر آنے لگے۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب گلیوں میں اکٹھا ہونے لگے۔ بَونے نے چلّا کر کہا، ''بادل دکھائی دینے لگے ہیں۔ لل دیوی سادھی لگا کر بیٹھی ہے۔ شو بھگوان نے اس کی پرارتھنا سن لی ہے۔ بادل آگے بڑھتے آرہے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ چلو آؤ۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔''

لوگ اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اُن کو اعتبار نہیں آرہا تھا۔ ان کی بھوک اور نا اُمیدی رل مل گئی تھیں۔ اُن کا کوئی علاج اُن کے پاس نہیں تھا۔ کچھ ہونا نہ ہونا ایک برابر ہوگیا تھا۔ بَونا کہہ رہا ہے تو چلو دیکھ لیتے ہیں۔ وہ کون سے کسی کام میں لگے ہیں۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دوسرے کو بھوک سے بے حال دیکھنے سے تو اچھا ہے جہاں کوئی کہے چل پڑنا گاؤں سے باہر گھنے درختوں کے پار آکر بونے نے اشارہ کرکے بتایا۔ ''وہ دیکھو اس جنگل کے پار، پہاڑ کے اوپر۔''

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لوگوں نے دیکھا۔ اُنہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ حیرانی سے ان کے منہ کھل گئے۔ بڑے بڑے بادل تھے۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔ جوش سے بھر کر وہ لل کے نزدیک آ گئے۔ لل کے چہرے پر دھوپ کھلی ہوئی تھی۔ وہ گہری سمادھی میں تھی۔ پرسکون۔ کل کی طرح اس کے ماتھے پر دکھ کی کوئی لکیر نہیں تھی۔ لوگوں کا بھروسہ جاگا کہ وہ جو دیکھ رہے ہیں وہ سچ مچ واقع ہو رہا ہے۔ بادل بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ بوڑھے لوگ لل کے سامنے زمین پر اوندھے لیٹ کر پرنام کرنے لگے۔ انہیں دیکھ کر دوسروں نے بھی ہاتھ جوڑ دیئے۔

بَو نے کی نظر بادلوں پر ہی جمی تھی۔ اُسے اُن میں کبھی بیل کی شکل دکھائی دیتی تو کبھی ہاتھی کی شکل کا گمان ہوتا۔ پھر اس نے دیکھا بادلوں کے بہت سے ٹکڑے یوں پھیل گئے جیسے ہرنوں کی ڈار کہیں سے آ گئی ہے۔ پھر اُسے درختوں کا بڑا جھنڈ بنتا نظر آنے لگا۔ گاؤں سے باقی کے لوگ بھی آ گئے تھے۔ بادلوں کا اتنی تیزی سے بڑھنا دیکھ کر اُن کے دلوں کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ لڑکوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کئی بزرگ انہیں سمجھانے لگے۔ اتنا شور مت کرو۔ لل مائی کی سمادھی بھنگ ہو جائے گی۔ کچھ دیر تک سب گم سم ہو گئے۔ انہیں ڈر بھی تھا کہ سمادھی بھنگ ہونے سے ہوا کا رُخ ہی نہ بدل جائے۔ بادل پیچھے نہ ہٹ جائیں۔ وہ پھر لل کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کے ماتھے پر دھوپ بہشت سے آئی ہوئی روشنی کی طرح چمک رہی تھی۔

بادلوں کے رَتھ بہت آگے آ چکے تھے۔ لوگوں کیلئے اب خاموش رہنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ عورتیں لل کے بلہاری جا رہی تھیں کچھ اس کے سامنے بیٹھ کر رونے لگیں۔ اُن کے ننھے ننھے بچوں کے بچنے کی اُمید جاگی تھی۔ دلوں میں ہلچل مچی تھی۔

دھوپ گئی تو سب کی نظریں اوپر اٹھیں۔ بادل سروں کے اوپر آ چکے تھے۔ اچانک کچھ بوندیں ٹپکیں لڑکوں اور لڑکیوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ گانے لگے۔ ''بادل بھیا برس برس، کھیتوں پر برس، گاؤں پر برس۔''

بادل سچ مچ برسنے لگے۔ اب لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ بڑے لوگ بھی ناچنے لگے عورتیں بھی ناچنے لگیں۔ جن کی گودیوں میں چھوٹے بچے تھے وہ انہیں ہوا میں اُچھال اُچھال کر نہلانے لگیں۔ بڑے بوڑھے تالیاں بجا رہے تھے۔ سب سے زیادہ مستی میں آیا ہوا بَو ننا ننا چتا ہوا مٹی کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

لل سمادھی سے نکلی، بارش میں اُس نے یوں آنکھیں کھولیں، جیسے بھرپور شبنم میں بھیگتا ہوا پھول کھلتا ہے۔ یا جیسے ریشم کے کوئے سے نکل کر تتلی پہلی بار اپنے پنکھ کھولتی ہے۔ اس کے لئے یہ ایک نیا احساس تھا۔ آج یہ دنیا بھی اسے اچھی لگ رہی تھی جس نے اُسے اتنا درد دیا تھا۔ لوگوں کو فرطِ مسرّت سے ناچتے گاتے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دیکھ کر اُس کے دل میں راحت اور سکون کا احساس تھا۔

جنگل میں شہزادہ شراشمک اور چندراڈامر کے گھوڑے اُس طرف بھاگتے آرہے تھے۔ بارش کی پہلی پھوار پڑتے ہی وہ اپنے محلوں سے چل پڑے تھے۔ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ لل کوئی سچی جوگن ہے جس کی دعا کی وجہ سے اتنی خوفناک قحط سالی ختم ہوگئی۔ شراشمک کے دل میں اپنے لئے لل کی دُعا کی تمنا تھی۔ وہ جلدی سے جلدی کشمیر کا سلطان بننا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کے خاندان کے تین سلطان حکومت کر چکے تھے۔ مگر ابھی تک بے خطر وخلل سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ چھوٹے چھوٹے جاگیردار اور راج راجواڑے سلطنت کی پائداری کو للکارتے رہتے تھے۔ ہر دوسرے روز کوئی نہ کوئی باغی کسی نہ کسی طرف اپنا سر اُٹھاتا رہتا تھا۔ شہزادے کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا کہ اس کے سلطان بننے سے پہلے کہیں کوئی بغاوت نہ ہوجائے۔ اُس نے سلطان بننے سے پہلے ہی اپنے دستِ راست چندراڈامر کے ساتھ مل کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے منصوبے بنالئے تھے۔ دل میں ڈر بیٹھ جانے کی وجہ سے جہاں کہیں کسی جوگی یا پیر فقیر کا پتہ چلتا وہ اُس کی دعائیں لینے کے لئے بے قرار ہوجاتا۔ چندراڈامر نے جس ڈھنگ سے لل کے بارے میں بتایا تھا وہ جان گیا کہ وہ کوئی کامل جوگن ہے۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ اُس کی دُعا پاکر وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

بارش اور بھی تیز ہوگئی تھی۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ناچتے گاتے لوگوں کے بیچ لل کو بھی مستی میں جھومتے ہوئے دیکھا۔ وہ بے لباس تھی لیکن جتنی دھجیاں تھیں وہ اسے ننگا ہونے سے بچا رہی تھیں۔ اُس کے ننگے پن کی طرف کون دیکھ رہا تھا۔ وہ لل تھی صرف لل۔

شہزادہ شراشمک اور چندراڈامر گھوڑوں پر سے اُتر کر لوگوں کی طرف آگے بڑھے لوگوں نے حیران ہوکر انہیں دیکھا اور اُن کے تھرکتے ہوئے پاؤں رُک گئے۔ اُن کی آنکھوں میں دہشت سی چھا گئی۔ لل بھی چپ چاپ کھڑی رہ گئی۔

بارش کا زور اور بھی بڑھ گیا۔

شہزادہ اور چندراڈامر لوگوں کے بیچ میں سے گذرتے ہوئے لل کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے۔

لل ایک ٹک اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ایک اوک بنائی اور اُسے اُوپر اُٹھادیا۔ اوک میں بارش کا پانی بھرنے لگا۔ جب وہ بھر گئی تو لل نے اسے شہزادے کی طرف بڑھایا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اور بولی۔ ''پی لو اِسے''

شہزادے نے اُس کی اوک کا پانی اپنی اوک میں لے لیا اور اُسے پی گیا۔ لل نے کہا۔ ''تم جلدی سلطان بنو گے۔ سلطان بن کر اپنی رعایا کا خیال رکھنا۔''

''ضرور۔'' شہزادے کے منہ سے نکلا۔

بارش یوں برس رہی ہے جیسے اُس نے اپنے ختم ہونے کی قسم کھائی ہو۔ ہفتوں گذر گئے ہیں جھڑی لگے ہوئے۔ دھرتی کی پیاس مٹ گئی ہے اور اُس نے گہرے ہرے رنگ کا پیراہن پہن لیا ہے۔ لل کو محسوس ہوتا ہے اُس کے اندر بھی کچھ کونپلیں پھوٹی ہیں۔ بہت کچھ رس سے بھر گیا ہے۔ اس گپھا میں بیٹھے بیٹھے اس نے کئی بار اپنے جسم کو ٹوہ ٹوہ کر دیکھا ہے۔ باہر کی ہریالی نے اندر بھی اثر ڈالا ہے۔

سوکھے کے بعد بارش آنے پر جب لوگ ناچ گا کر جشن منانے لگے تھے تو لل کو راحت اور سکون کا ایک نیا احساس ہوا تھا۔ ان کا سکھ دیکھ کر وہ اپنا دکھ بھول گئی تھی۔ وہ لوگ اُسے وہاں سے جانے نہیں دے رہے تھے۔ بَونا تو پاؤں پر گر کر رو پڑا۔ وہ روتے روتے کہتا ہی جا رہا تھا ''مائی مجھے اپنے ساتھ لے چل، میں تیری خدمت کروں گا۔'' بے وقوف مجھے شِوشنکر کی خدمت کرنی ہے یا تیری خدمت لینی ہے۔

وہ وہاں سے چوری چھپے نکل آئی تھی۔ بہت دن بارش میں بھٹکنے کے بعد یہ گپھا ملی تھی۔ یہ جھڑی تھمے تو یہاں سے نکلنے کی سوچے۔

اچانک اسے کسی بہت چھوٹے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوئی۔ آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔ ایک بار تو اسے لگا یہ آواز کہیں اس کے اندر سے آ رہی ہے۔ اپنی اس سوچ پر وہ ہنس دی۔

میرے اندر سے بچے کی آواز؟

وہ آواز نزدیک آتی جا رہی تھی۔

اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔

لل نے دیکھا ایک عورت اور ایک مرد گپھا کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ عورت نے روتے ہوئے بچے کو کندھے سے لگا رکھا تھا۔ بارش نے انہیں پورا بھگو دیا تھا۔

''کون ہے؟'' لل نے پوچھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''ہم مسافر ہیں۔اندھیرا ہوگیا اس لئے اس بارش میں.....''

''اندر آجاؤ۔''

وہ اندر آگئے۔دونوں بھیگے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے۔بچہ ابھی بھی رو رہا تھا۔وہ موٹے موٹے کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔دونوں ایک طرف بیٹھ گئے۔انہیں گپھا کے اندھیرے میں لل کا چہرہ صاف نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ بچہ اتنا کیوں رو رہا ہے؟''لل نے پوچھا۔

عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا''یہ سات دن کا ہوگیا لیکن اس نے ابھی تک ایک بُوند دودھ نہیں پیا۔''

''کیوں؟''لل کو حیرانی ہوئی۔

''دودھ تو مجھے ہے لیکن یہ پیتا نہیں''

''سات دنوں سے بھوکا ہے؟''

''ہاں''عورت نے جواب دیا۔''اوپر کا دودھ بھی نہیں پیتا ہے۔پانی بھی نہیں پیتا''

مرد بولا''پتہ نہیں خدا کو کیا منظور ہے۔بڑی منتوں مرادوں کے بعد یہ پیدا ہوا ہے۔ہم سے جو ہو سکتا ہے کر رہے ہیں لیکن.....ہمیں جہاں بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی عورت کو بچہ ہوا ہے ہم اسے اس کے پاس لے جاتے ہیں۔یہ سوچ کر شاید یہ اُس کا دودھ پی لے،لیکن یہ کسی کا دودھ نہیں پیتا۔''

لل سمجھ گئی کہ مسلمان لوگ ہیں۔لیکن اس کے لئے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اسے بچے کی فکر ہو رہی تھی۔دودھ نہیں پیئے گا تو زندہ کیسے رہے گا۔

باہر سے بارش کے تیز ہونے کی آواز آرہی تھی۔

مرد بولا''صبح ہمیں پتہ چلا کہ نالے کے پار والے گاؤں میں ایک عورت نے بچے کو جنم دیا ہے۔ہم اتنی بارش میں بھی گھر سے نکل آئے۔پر نالے میں پانی اتنا چڑھا ہوا تھا کہ ہم پار نہیں جا سکے۔رات کاٹنے یہاں چلے آئے۔''

''اچھا کیا آگئے۔میں یہاں اکیلی ہوں۔مگر میرے پاس آپ کے کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔''مرد بولا۔وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کوئی جوگن ہے۔اندھیرے میں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اس کا وجود اور بھی کم دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک لل نے کہا ''آپ کا بچہ چپ ہو گیا ہے۔''

''سو گیا ہوگا۔'' مرد بولا ''جاگتے میں کبھی چپ نہیں رہتا۔''

عورت نے بچے کا منہ اپنے منہ کے پاس لایا۔ وہ حیران ہو کر بولی، یہ تو جاگ رہا ہے۔ پھر وہ بچے کو پیار کرتے ہوئے کہنے لگی ''آج پہلی بار میرا بچہ چپ ہوا ہے۔'' مرد بھی ہکا بکا ہو کر آگے بڑھا اور اُسے دیکھنے لگا۔

لل نے کہا ''سب شِوشنکر کی لیلا ہے۔ بچے کو سلا دو اور خود بھی سو جاؤ۔''

میاں بیوی دونوں کی خوشی کی کوئی اِنتہا نہیں تھی۔ ان کی اُمید جاگی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ ایک طرف لیٹ گئے۔ ماں نے بچے کو چھاتی سے لگایا اور اسے دودھ پلانے کا جتن کرنے لگی۔ لیکن بچے نے دودھ نہیں پیا۔ وہ لوگ سو گئے۔

لل سادھی میں بیٹھ گئی۔ وہ کہیں دور نکل جانا چاہتی تھی۔ لیکن بچے کے رونے کی آواز سادھی میں بھی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ اس نے دیکھا ماں باپ سو گئے ہیں اور بچہ ہاتھ پاؤں چلا چلا کر رو رہا ہے۔ لل اُٹھ کر اس کے پاس گئی اور اسے اٹھا لیا۔

لل کی بانہوں میں آتے ہی بچہ چپ ہو گیا۔ وہ اسے اپنی چھاتی کے پاس لے آئی بچہ ہُمک ہُمک کر اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اُس کی چھاتی ٹٹولنے لگا۔ لل اُسے اور بھی قریب لے آئی۔ بچہ اس کی چھاتی چوسنے لگا۔

لل کو محسوس ہوا کہ اس کے دودھ کی دھار بچے کے منہ میں جا رہی ہے۔ اس نے اسے پیچھے ہٹا کر اپنی چھاتی دبا کر دیکھی۔ سچ مچ دودھ آ رہا تھا۔ اسے ایک عجیب خوشی کا احساس ہوا۔ انتہائی کیف آور لمحہ تھا۔ اس نے پھر اسے دودھ پلانا شروع کر دیا۔ بچہ دودھ پی رہا تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سوکھے کا مارا ہوا کوئی درخت بارش میں نہا رہا ہو۔ اس کے اندر بھی بارش برس رہی تھی۔ ہر طرف جَل تھل تھا۔ وہ بہہ رہی تھی اور ''شِو اِشو!'' کا ورد کر رہی تھی۔

بچے کا ہُڑکنا بند ہوا تو لل ہوش میں آنے لگی۔ اس نے دیکھا بچہ آسودہ ہو کر سونے لگا ہے اس کی آنکھیں غنودگی سے بند ہونے لگی تھیں۔ لل نے اُسے اُس کی ماں کے پاس لٹا دیا۔ پھر وہ گپھا سے باہر آئی۔ بارش تھم چکی تھی۔ سب طرف خاموشی تھی۔ وہ اندھیرے میں ایک طرف چل دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

صبح بچہ سوئے سوئے ماں کا دودھ پینے لگا۔ ماں اس وقت ایک خواب دیکھ رہی تھی خواب میں لل بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور اسے کہہ رہی تھی ''تو فکر مت کر۔ تیرے بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔ تیرا بچہ بڑا نصیب والا ہے۔ بڑا ہو کر یہ رِیشی کہلائے گا۔ اس کا نام نورالدین رکھنا۔''

دکن کی طرف کشمیر کا یہ ایسا علاقہ تھا جہاں لل پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ جدھر دیکھو پانی ہی پانی۔ جھیلیں اور آبشار۔ چاروں اطراف ایسے سبزہ زار کہ دیکھنے والے کو لگے وہ ہریالی میں نہا رہا ہے۔

تھوڑی دوری پر تین مندر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ دھوپ میں تینوں کے کلش چمک رہے تھے۔ لل کے پاؤں خود بخود اُس طرف کھنچے چلے گئے۔ آگے بڑھی تو اس نے دیکھا ایک بہت بڑے کھیت میں صرف ہاک ساگ اُگا ہوا تھا فضا میں ہریالی بھر گئی تھی۔ ساگ کے بڑے بڑے پتے اتنے شاداب، گداز اور نازک تھے کہ ہوا اور دھوپ اپنا سب کچھ انہیں دے کر انکا سب کچھ لینے کے لئے بے قرار تھیں۔ قدرت کا ایسا حسین منظر دیکھ کر لل مست ہوگئی۔ اس کا جی چاہا وہ کھیت کے اندر جا کر ہاک ساگ کے بڑے بڑے پتوں کو سہلائے انہیں پیار کرے۔ اچانک اسے اپنے دل میں ایک انکُر پھوٹتا محسوس ہوا۔ سنگیت سے بھرپور ایک واکھ جیسا وہ سوچنے لگی ہاک ساگ کا یہ شاداب کھیت معرفت کا حسین سبزہ زار ہے ربط وضبط سے اس کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔ پچھلے جنم کے اعمال مویشی بن کر اسے کھا جائیں گے۔ اس کے منہ سے واکھ کے بول ابھی نکلنے ہی والے تھے کہ ایک کرخت آواز نے ساری سوچ، سبھی الفاظ کو تہ وبالا کر دیا۔ اس نے دیکھا ایک بڑی جھاڑی کے پیچھے سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت ہوا میں ہاتھوں بانہوں کو لہراتی، گرتی پڑتی تیز رفتاری سے اسی کی طرف چلی آ رہی تھی۔ وہ شور مچا رہی تھی ''ارے کون ہے وہاں؟ کون چوری کرنے آیا ہے؟ کیسا وقت آ گیا ہے۔ لوگ ساگ بھی چرانے لگے'' ہلّہ بولتے ہوئے وہ لل کے نزدیک آ کر کھڑی ہوگئی۔ رُکتے رُکتے وہ جھول سی گئی

''کون ہو تم؟''

لل جان گئی اُسے آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے وہ کچھ بولی نہیں۔

''یہ کیا بھیس بنایا ہے ڈھنگ کے کپڑے نہیں تمہارے پاس؟''

لل پھر بھی نہیں بولی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

''کہاں سے آئی ہو؟ اِس گاؤں کی تو نہیں ہو۔''

لل نے جواب نہیں دیا۔

''منہ میں گھنگنیاں بھر رکھی ہیں کیا؟''

اس کے سوالوں سے تنگ آ کر لل بولی۔''تم جو میرے بارے میں جاننا چاہتی ہو وہی جاننے کے لئے میں جگہ جگہ بھٹک رہی ہوں۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ میں کون ہوں۔''

وہ عورت تعجب سے بولی۔''پاگل تو نہیں ہو؟''

''ہاں۔ میں پاگل ہوں''۔

''نہیں پاگل کبھی نہیں کہتا کہ میں پاگل ہوں۔ تم ضرور کوئی جوگن ہو۔''

''کیا معلوم''

''تم ضرور کوئی پہنچی ہوئی لگتی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔''

''نہیں میں کسی کے گھر نہیں جاتی۔''

''گھر نہیں لے جا رہی۔ میں تمہیں مندر میں لے جانا چاہتی ہوں۔ یہ سبھی کھیت باڑیاں جو تم دیکھ رہی ہو مندر والوں کی ہیں۔ آج رات ان مندروں میں بڑا اُتسو منایا جا رہا ہے۔ سبھی دیوداسیاں ناچیں گی۔ میں بھی ناچوں گی۔''

''تم بھی ناچو گی؟''

''ہاں۔ میں بھی دیوداسی ہوں۔''

''مجھے لگا تمہیں کچھ کم دِکھتا ہے۔''

''کون کہتا ہے مجھے کم دِکھتا ہے۔'' وہ کچھ جوش میں آ گئی۔''اگر مجھے کم دِکھتا ہے تو میں اتنے بڑے کھیت کی رکھوالی کیسے کرتی ہوں؟''

''مجھے معاف کرو۔''

''میں چاہتی ہوں تم میرے ساتھ مندر میں چلو۔''

''چلو تم کہتی ہو تو میں چلتی ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ اگر میرا من بھی ناچنے کو ہوا تو؟''

دیوداسی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اُس نے دُلار سے لل کا ہاتھ تھام لیا۔''تم ناچو گی تو بھگوان بھی خوش

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ہوں گے۔'' وہ لل کو مندر کی طرف لے چلی۔ اس کے تیز چلنے سے لل کو تھوڑی تکلیف ہوئی۔ لیکن اس دیو داسی کیلئے وہ راستہ اتنا دیکھا۔ بھالا تھا کہ کم دِکھنے کے باوجود وہ تیزی سے چل رہی تھی۔ باتیں بھی کرتی جارہی تھی۔

''تجھے پتہ ہے میں خاندانی دیوداسی ہوں۔''

لل حیران ہوکر کھڑی ہوگئی۔ ''خاندانی دیوداسی؟''

''ہاں'' وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ وہ مسکرارہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں غرور تھا۔ ''کوئی سو برس پہلے کشمیر کے راجہ نے ان تین مندروں کو پندرہ لڑکیاں دان میں دی تھیں۔ ان میں ایک میری پڑنانی بھی تھی۔ میری نانی انہی مندروں میں پیدا ہوئی۔ اور پلی بڑھی۔ پھر میری ماں بھی اور اس کے بعد میں بھی۔ اسی لئے میں نے کہا میں خاندانی دیوداسی ہوں۔''

لل اُداس ہوگئی۔

دونوں پھر چل پڑیں۔

وہ بولتی جارہی تھی۔ ''میرے جیسا آج بھی یہاں کوئی نہیں ناچتی۔ تم خود ہی رات کو دیکھ لوگی۔ کئی سال پہلے جب میں بہت چھوٹی تھی مجھے راج دربار میں ناچنے کا موقع ملا تھا''۔

وہ مندر کے باہر پہنچ گئیں۔

''یہ مندر بہت ہی پرانے ہیں۔ یہ ایک ہی جگہ ہے جہاں تین الگ الگ مندر آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ایک میں مہادیو، ایک میں وِشنو ایک میں بھدر کالی۔ بڑا آنگن سا جھا ہے۔ وہ پیچھے جو پرانا بھون دکھائی دے رہا ہے۔ وہاں ہم سب دیوداسیاں رہتی ہیں۔ وہیں آگے ایک سرائے بھی ہے''۔

لل اُس کی چپڑ چپڑ سے تنگ آنے لگی تھی۔

اُسی وقت اچانک دو بلیاں آپس میں لڑتیں بھڑتیں ایک دوسرے کو نوچتی کھسوٹتیں ان کے قریب آنے لگیں۔ ایک بلی شائد لہولہان ہوچکی تھی۔ لل پریشان ہونے لگی۔ وہ دیوداسی چیخ کر بولی۔ ''کلمونہیاں کہاں سے آگئیں۔ آگ لگے اِن چڑیلوں کو'' یہ کہتے کہتے اُس نے ایک پتھر اٹھایا اور ان پر دے مارا۔ بلیاں بھاگ گئیں۔ لل پیچھے مڑتی ہوئی بولی۔ ''میں جارہی ہوں۔''

''جو گئے تم کہاں چل پڑیں۔ میں تو تمہیں مندر کے بڑے آنگن میں لے جارہی ہوں۔ رات

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کو جو اُتسو ہو رہا ہے اُس کی سجاوت جگمگاہٹ دکھانے کے لئے چل کر دیکھ تو سہی''

''نہیں نہیں مجھے سجاوٹ دیکھ کر کیا کرنا ہے۔ ایسے اُتسوؤں میں میرا من بے چین ہو جاتا ہے۔''

اُس نے فوراً لل کا بازو تھام لیا۔ ''اری تو اُدھر نہیں جانا چاہتی تو نہ سہی۔ میں تمہیں کھلائے پلائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا۔ تم جوگن ہو۔ تمہاری اتنی بھی خاطر داری نہیں کی تو پاپ لگے گا۔ چل آ تو میری کوٹھری میں چل۔'' اُس نے بانہہ کھینچی تو لل کو جانا پڑا۔ لیکن اس نے بولنا بند نہیں کیا تھا۔ ''تمہیں اپنی بیٹی سے بھی ملوانا ہے۔ آج وہ یہاں کی سرتاج نرتکی ہے۔ بڑے مہنت جی کی خاص الخاص۔ منہ لگی، سر چڑھی۔ آج رات تم اس کا نرت بھی دیکھو گی''۔

لل کو اُس کی کوٹھری میں جاتے ہوئے لگا جیسے وہ کسی اندھیرے غار میں داخل ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے دیا جلانا پڑا۔

''تم یہاں بیٹھو میں تمہارے کھانے کے لئے کچھ لاتی ہوں۔''

''میری بات سنو''

وہ جاتے جاتے رُک گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''جے مالا۔ تو گھبرانا نہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔ اپنی بیٹی سگندھا کو بھی لاتی ہوں۔''

کہہ کر وہ چلی گئی۔

لل نے راحت کی سانس لی۔ جے مالا کی باتیں سن سن کر وہ تنگ آ چکی تھی۔ ایسی بند کوٹھری پہلے اُس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دوسری دیو داسیوں کی کوٹھریاں بھی ایسی ہی ہوں گی اس کے منہ سے لمبی سانس نکل گئی۔ دیئے کی طرف دیکھ کر جی چاہا وہ سمادھی لگائے دیئے کے ساتھ ہی دیوار میں بنے ایک طاقچے میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ اسے حیرانی ہوئی خوشی بھی ہوئی۔ کئی برسوں کے بعد اسے کتابیں نظر آئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے کتابیں نکال لیں۔ مدھم روشنی میں اس نے دیکھا ایک ابھی نوگیت کی ''ابھی نو بھارتی'' تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے فرطِ جذبات سے اُس کتاب پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ دوسری کھشے مینڈرکی ''سے ماترکا'' تھی۔ جسے اس نے کتنی بار پڑھا تھا۔ سب سے نیچے واتسائین کی ''کام سوتر'' تھی۔ آنکھیں بند کر اس نے ان کتابوں کو چھاتی سے لگا لیا۔ پھر آہستگی سے انہیں واپس

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

طاقچے میں رکھ دیا۔

جے مالا اندر آئی وہ کہہ رہی تھی۔ ''یہ بھون ایک پرانے بودھ مٹھ کا کھنڈر ہے۔ میری عمر یہیں گذر گئی۔ یہی میری دنیا ہے۔ کل کائنات۔'' اس کے ایک ہاتھ میں تھالی تھی، دوسرے میں پانی سے بھرا کٹورا۔ تھالی میں بھات کی ڈھیری پر ہاک ساگ اور پنیر کے کچھ ٹکڑے۔ اس نے بڑی عزت کے ساتھ تھالی لل کے آگے رکھی اور کہا۔ ''کھاؤ۔''

لل نے کھانا شروع کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ چاہتی تھی کھانا کھانے کے بعد فوراً وہاں سے نکل جائے۔ کھاتے کھاتے اس نے جے مالا سے پوچھا ''یہ کتابیں تمہاری ہیں۔''

''ہاں'' جے مالا نے جواب دیا ''تمہیں پتہ ہے یہ کیا ہیں؟

''ہاں۔ میں نے یہ سب پڑھی ہیں۔''

''کام سوتر بھی؟''

''ہاں''

''پھر جوگن کیوں بن گئیں؟''

''شِو شمبھو نے کھینچ لیا۔''

''بڑی قسمت سے تم جیسیوں کے درشن ہوتے ہیں۔''

کسی کے اندر آنے کی آہٹ ہوئی۔ دونوں نے دیکھا سگندھا آ رہی تھی۔

''ماں.....'' وہ آگے کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن لل کو دیکھ کر رُک گئی۔

لل نے دیکھا سگندھا بے مثال حسن کا پیکر تھی۔ کتنی خوبصورت آنکھیں۔ لیکن اُس وقت اُن آنکھوں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اپنی بات نہ کہہ پانے سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ لل سمجھ گئی کہ لڑکی کے دل میں اُبال ہے جسے وہ باہر نکالنا چاہتی ہے۔ اس کے ہونٹ پھڑ پھڑا رہے تھے۔ جے مالا نے کہا ''سگندھا جوگن کو پرنام کرو۔ میں کھیتوں کی رکھوالی کر رہی تھی یہ مل گئی۔ اس کا آشیرواد لو۔''

سگندھا نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سر جھکایا اور ہاتھ جوڑ کر لل کو پرنام کیا اور پھر دوسرے اندھیرے کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل جلدی جلدی بھات کھانے لگی۔ وہ فوراً وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اسے دُکھ ہو رہا تھا اتنی حسین لڑکی کتنی ملول ہے۔

''کیا بات ہے تمہیں اُتسو کی تیاری نہیں کرنی؟'' جے مالا نے پوچھا۔

سگندھا نے جواب نہیں دیا۔

''مہنت جی نے کچھ کہا تمہیں؟''

وہ پھر بھی نہیں بولی

''بتاؤ تو کیا ہوا؟''

سگندھا کا جسم کانپ رہا تھا۔ ہونٹ تھرتھرا رہے تھے وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر لل کی موجودگی اسے روک رہی تھی۔

لل نے بھات کھالیا۔ اس نے تھالی میں ہی ہاتھ دھو لئے۔ تھالی کو ایک طرف سرکارتے ہوئے جے مالا کی طرف دیکھا اب وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ اسی لمحے جے مالا نے سگندھا کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ سگندھا سسکنے لگی۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کو روتے دیکھ کر اُس کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ ''ضرور کچھ ہوا ہے۔''

لل کے پاؤں جیسے جم گئے۔ لیکن وہ بھی سگندھا کے اندرونی کرب کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کے لئے پاؤں اٹھانا ممکن نہیں رہا تھا۔

سگندھا روتی جا رہی تھی۔ اُس کے رونے میں بے انتہا درد تھا۔ جے مالا اُس کے اور قریب جا کر بولی، ''مجھے بتاؤ بیٹی کیا ہوا؟ تو تو کل رات سے مہنت کی حویلی میں تھی۔ اس نے تجھے کچھ کہا؟ بے عزتی کی؟''

''وہ مہنت نہیں جانور ہے، راکھشس ہے''۔ سگندھا ایک دم پھٹ پڑی۔

اس کی آواز میں رونا تھا، غصہ تھا، درد تھا۔ ''اُس نے مجھے نوچ نوچ کر کاٹ کاٹ کر کھالیا ہے۔ ساری رات شراب کے نشے میں پاگل ہاتھی کی طرح مجھے روندتا، مسلتا ہے وہ نہیں دیکھتا کہ میں بھی انسان ہوں وہ میرا لہو چوستا ہے۔ ہڈیاں توڑتا ہے، مارتا ہے، وہ بھیڑیا ہے بھیڑیا ہے''۔ اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روتے روتے بھی وہ کہہ رہی تھی ''وہ آدم خور ہے مجھے کھا جائے گا۔ مجھے بچاؤ ماں مجھے بچاؤ۔''

جے مالا کی سانس رُکنے لگی تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اس کی بیٹی کو اس جہنم سے نکالنا

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

ناممکن ہے وہ جانتی تھی۔اپنی مجبوری سے وہ خوفزدہ تھی۔وہ بھی چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔

دل گرفتہ ہوکر لل دروازے کی طرف مڑنے لگی۔

جے مالا نے روتی چیختی اور کانپتی آواز میں کہا'' دیکھ لیا تم نے جوگنے! دیکھ لیا ہم کیسے جیتے ہیں؟ تمہاری طرح مست ہوکر بے لاگ لگاؤ جینا کتنا آسان اور کتنا بے فکر ہوکر جینا ہے۔اور ہم جیسوں کا پورے ہوش وحواس میں جینا کتنا مشکل ہے۔ہم یہ زہر پیتے رہتے ہیں۔نیل کنٹھی ہیں ہم۔یہ میری بیٹی میری جان ہے میرا سب کچھ مگر تو یہ نہ سمجھ کہ اس کی مجبوری اور بے حالی کے کارن ہم اُتسو میں ناچیں گی نہیں۔ناچیں گی نہیں تو ہمارا درد ہمیں کھا جائے گا۔ہم سب کچھ بھول کر مست ہوکر مدہوش ہوکر ناچیں گی۔اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے گائیں گی۔جشن منانے کا موقع ہم کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔'' یہ کہہ کر جے مالا ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی اور پھر ایکا ایک زور زور سے رونے لگی۔

لل چپ چاپ باہر آ گئی۔ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔اُس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔گہری ٹیس اندر بہت دور تک تیر کی طرح چلی گئی تھی۔اس دن بارش آجانے سے لوگوں کو ناچتے گاتے دیکھ کر فرطِ مسرت سے وہ ناچ اٹھی تھی۔اس سے زیادہ تکلیف آج ہوئی۔وہ سوچنے لگی اس دنیا میں نہ دکھ کی کوئی حد ہے نہ سکھ کی۔دکھ بھی جسم وجان کھاتا ہے سکھ بھی جسم وجان کھاتا ہے۔زندگی ان دونوں کو کھاتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ وہاں سے چل دی۔

اُس گپھا میں دھوپ کے آتے ہی ہر طرف ایک ہلچل سی مچ گئی۔اندھیرا بھاگا۔ہوا کانپ اٹھی۔مٹی کے ذرّے جو دیواروں سے لگ کر سو گئے تھے لرز کر جاگ اُٹھے۔سمادھی میں ڈوبی لل کی آنکھیں کھلیں۔اس نے دیکھا گپھا کے دروازے پر برف کی لڑیاں بوند بوند پگل رہی تھیں۔وہ سوچنے لگی بہتا ہوا پانی برف بن جاتا ہے۔لیکن جب دھوپ لگتی ہے۔تو پھر پانی بن جاتا ہے۔اسی طرح کائنات کے سارے مظاہر کی الگ الگ صورتیں ہیں۔لیکن جب حق کا سورج چمکتا ہے اور علم وآگاہی کی دھوپ ان پر پڑتی ہے تو ان صورتوں کی اندرونی یگانگت ظہور پذیر ہوتی ہے۔اس خیال سے ترغیب پا کر لل نے اپنے ہاتھوں کو دھوپ میں آگے بڑھایا۔اس کے گورے ہاتھ دھوپ میں چمکنے لگے اس نے مٹھیاں بند کیں،ہتھیلیوں سے نکل کر

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

دھوپ مٹھیوں کے اوپر بیٹھ گئی۔لل مسکرانے لگی دھوپ کی پھرتی دیکھ کر لیکن یہ ظاہری پھرتی نہیں تھی۔ یہ دھوپ کی فطرت تھی۔اسے کوئی کہیں بند نہیں کر سکتا۔کوئی اسے اپنے رنگ میں نہیں رنگ سکتا۔وہ ہر چیز سے جڑ کر بھی اس سے الگ رہتی ہیں۔ بے تعلق بے رغبت۔وہ کانٹوں پر بیٹھتی ہے تو اسے کانٹے نہیں چبھتے۔وہ کیچڑ میں میلی نہیں ہوتی۔وہ بہتی ہوئی ندی پر سو جاتی ہے لیکن پانی اسے بھگوتا نہیں۔اسے اپنے ساتھ بہا کر بھی نہیں لے جاتا۔لل کو محسوس ہوا کہ اُس کا اور دھوپ کا سوبھاؤ ایک ہی ہے۔صرف ایک فرق ہے۔دھوپ اس کی طرح بوڑھی نہیں ہوگی۔

وہ گپھا سے باہر نکل آئی۔

ہر طرف برف ہی برف تھی اور برف کے اوپر دھوپ ہی دھوپ۔آفاقی منظر تھا شعاعیں برف پر اُتر کر اپنی ہی روشنی کی تاب نہ لا کر محوِ رقص تھیں۔پاگلوں کی طرح رقص کرتے ہوئے وہ فضاؤں میں اُڑ رہی تھیں۔لل کا من بھی اُڑنے لگا۔اس نے دیکھا فضاؤں میں اُڑتی ہوئی کرنوں کا عکس دور اوپر ہر مُکھ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی تک جا رہا ہے۔کنگورہ جگمگا رہا تھا۔اچانک اسے وہاں ایک پل نظر آیا اس کنگورے سے لے کر کونسر جھیل تک وہ پل جا رہا تھا۔نیچے پانی کی اونچی اونچی مضطرب لہریں۔روشنی اور لہریں محوِ اختلاط تھیں۔جیسے شو اور شکتی کا وصال ہو۔یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کون کس میں سما رہا تھا۔

لل زیرِ لب بڑبڑائی۔''شِو! شِو!'' اُس کے پاؤں بے اختیار اُس طرف چل پڑے۔

وہ ایک چھوٹی سے جھیل کے اوپر چل رہی تھی۔جھیل کی سطح سردی کی شدت سے منجمد ہو چکی تھی۔ جما ہوا پانی ایک جگہ پر کچھ کم جما ہوا تھا۔لل کا پاؤں وہاں پڑا تو پاؤں پانی میں چلا گیا۔اور وہ گر پڑی اس نے ہر مُکھ کے کنگورے کی طرف دیکھا۔اب وہاں پُل نظر نہیں آ رہا تھا۔نہ ہی روشنی کی اونچی ترنگیں۔وہ کیا ایک خواب تھا؟ نہیں نہیں وہ خواب نہیں تھا۔وہ شِو شنکر کا سچا روپ تھا.....مجسم ذاتِ حق! انہوں نے اسے بلایا ہے وہ ضرور جائے گی۔اس نے پانی میں سے اپنا پاؤں نکالا اور پھر ہر مُکھ کی سیدھ میں چل دی۔

وہ جانتی ہے پہاڑ ہمیشہ پاس ہی دکھائی دیتے ہیں۔لیکن وہ اتنے پاس ہوتے نہیں۔معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور چلنا پڑے گا۔نڈھال خستہ جسم اس کا ساتھ نہیں دے رہا لیکن وہ کہیں رک کر سانس

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

نہیں لینا چاہتی۔ چلتی رہی۔

پہلے بارش آئی پھر برفباری شروع ہوگئی۔ پگڈنڈی بھی مشکل سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے ایک بڑے تنے والا درخت دیکھا، جس پر ایک بھی پتا نہیں تھا، وہ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اب برف اس پر تو نہیں گر رہی تھی۔ لیکن اس کے اردگرد برف کی ایک دیوار سی کھڑی ہونے لگی تھی۔ آگے چلنا ناممکن ہوگیا۔ ماندگی سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ سوگئی۔

دوسرے روز اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا برف گرنا بند ہوچکی تھی۔ درخت کی بڑی بڑی شاخوں سے دھوپ چھن کر آرہی تھی اردگرد جو برف کی دیوار کھڑی تھی وہ کافی پگھل چکی تھی اور متواتر پگھل رہی تھی۔

وہ اٹھی اور دھیرے دھیرے چلنے لگی۔

آگے ایک چھوٹا سا نالہ تھا۔ اس پر لکڑی کا ایک ٹوٹا پھوٹا پُل تھا۔ اس پر برف جمی تھی۔ برف کی وجہ سے وہ ثابت وسالم تھا اور اس پر چلا جاسکتا تھا لیکن لل کے لئے چلنا ناممکن تھا۔ لل نے ہرمکھ کے کنگورے کی طرف دیکھا اور ایک ٹک اُدھر دیکھتی رہی۔ ادھر دیکھتے دیکھتے ہی اس نے پُل پر چلنا شروع کردیا۔ نیچے پُل کی طرف دیکھے بغیر وہ چلتی رہی اس نے ہرمکھ کی طرف سے نظر نہیں ہٹائی اور پُل پار کرگئی۔

شام کا جُھٹ پٹا چھانے لگا۔

وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں ایک سادھی جیسی بنی ہوئی تھی، لیکن اُس کا بڑا حصہ برف میں دبا ہوا تھا۔ اس کی ایک دیوار سے وہ پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی۔ اب اس سے چلا نہیں جارہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس مکان کے اندر سے ایک شخص باہر نکلا۔ اس نے ایک موٹا کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ شاید کمبل کے اندر کانگڑی بھی تھی۔ اس نے لل کو دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کون ہو تم؟'' اُس نے پوچھا۔

لل کچھ نہیں بولی۔

''کہاں سے آئی ہو؟''

لل نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ اُس میں بولنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ وہ اس شخص کو دیکھے جارہی تھی۔ اُس کی آنکھیں جھپک نہیں رہی تھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

وہ شخص خائف تھا۔ اس نے سوچا یہ نیم عریاں بوڑھیا کہیں مرتو نہیں گئی ہے۔ وہ اور بھی نزدیک جا کر بولا۔ ''بولتی کیوں نہیں؟ کچھ بولو''۔

لل نے بڑی مشکل سے ہونٹ ہلائے ''مجھ سے بولا نہیں جاتا۔''

''شکر ہے تم جی رہی ہو۔''

''مجھے مرے ہوئے بہت دیر ہوگئی۔''

وہ شخص کچھ نہیں سمجھا۔ اسے رحم آرہا تھا۔

''تیرے پاس کپڑے نہیں؟''

لل خاموش رہی۔

''تجھے شرم نہیں آتی؟''

لل ہنس پڑی

وہ بولا۔ ''اندر چلی جاؤ، وہاں آگ جل رہی ہے۔''

''آگ میرے اندر بھی ہے۔''

''شاید تم دیوانی ہو۔''

''اب تم نے پہچانا مجھے۔''

وہ چپ ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا، ''یہاں کیسے آگئیں تم؟''

''مجھے ہر مکھ کی چوٹی پر جانا ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو،'' وہ ہنسا، ''تمہارا جسم سردی سے نیلا پڑ چکا ہے وہاں تک کیسے پہنچ سکتی ہو تم؟''

''یہاں تک آگئی تو وہاں تک بھی پہنچ جاؤں گی۔''

وہ جانے لگا تو لل نے پوچھا ''یہ کس کی سمادھی ہے؟''

''یہ سمادھی نہیں مقبرہ ہے حضرت بلبل شاہ کا۔ اِنہوں نے ہمارے پہلے مسلمان بادشاہ رنچن کو مسلمان بنایا تھا۔ یہ بڑی پاک و مبارک جگہ ہے۔ جو یہاں آکر مسلمان بنتا ہے اسے جنت نصیب ہوتی ہے۔'' مجاور سوچ رہا تھا کہ شاید یہ غریب ولاچار بڑھیا مسلمان بن جائے اور اپنی عاقبت سنوار لے۔ اُسے اُس پر ترس آرہا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

لل نے پوچھا، ''جنت کہاں ہے؟''

مجاور نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔

''بہت اوپر ہے؟'' لل نے پھر پوچھا۔

''ہاں'' مجاور نے کہا، ''تم جانا چاہتی ہو جنت میں؟''

لل نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''پھر تو مجھے مسلمان بننا پڑے گا؟''

''ہاں۔''

''پھر تو اُسے بھی مسلمان بننا پڑے گا۔''

''کسے۔''

''جو میرے اندر رہتا ہے۔''

''کون رہتا ہے تمہارے اندر۔''

''شو! شوشنکر وہ ہمیشہ میرے اندر رہتے ہیں۔''

مجاور سمجھ گیا یہ کوئی معمولی بڑھیا نہیں۔ بولا، ''تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ کیا کبھی شوشنکر بھی مسلمان بن سکتے ہیں؟''

''اگر وہ نہیں بنیں گے تو میں کیسے بنوں گی؟''

''تمہیں پتہ ہے شو اللہ کا ہی نام ہے؟''

''اگر شو اللہ کا ہی نام ہے تو پھر ہندو اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟''

مجاور پھر کچھ نہیں بولا۔

لل بولتی رہی، ''انسان اور انسان کے بیچ بھید بھاو پیدا کرنا ایشور سے دور جانا ہے۔ جو ہندو اور مسلمان کے بیچ فرق پیدا کرتا ہے وہ ناستک ہے، بے دین ہے۔ وہ اللہ کا گناہ گار ہے۔''

مجاور کے دل میں لل کے لئے احترام پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا، ''تو اللہ کی بندی ہے۔''

''بندی نہیں میں اس کی باندی ہوں۔ وہ میری ہستی کا مالک ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے ہاتھوں میں بے قیمت بیچ دیا ہے۔ وہ مجھے بلاتا ہے لیکن ہاتھ بڑھا کر اٹھاتا نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

،سہارا نہیں دیتا۔ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں اسے منانے کے لئے اس کے پاس جا رہی ہوں۔ یہ کمزور جسم مجھے وہاں تک پہنچائے گا یا نہیں، مجھے پتہ نہیں۔ لیکن مجھے جانا ہے۔ کیسے بھی جانا ہے۔ وہ مجھے بہت دکھ درد تکلیف دیتا ہے لیکن اب مجھے اس کے دیئے ہوئے دکھوں اور تکلیفوں میں بھی مزا آنے لگا ہے۔ سرور آنے لگا ہے۔ میں اِس مزے اور سرور سے دور رہنے کی کوشش کرتی ہوں تا کہ ایسا نہ ہو وہ مجھے دکھ دینا بند کر دے یہ دیکھ کر کہ مجھے دکھوں اور تکلیفوں میں مزا آنے لگا ہے۔ بدقسمت ہوں نہ اس لئے۔'' کہتے کہتے وہ رو پڑی۔ آنسو پوچھتے ہوئے بولی ''اب مجھے رو کر بھی خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

اس کی بات سن کر مجاور کانپ اٹھا۔ خدا کی ایسی عبادت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں اُس نے کہا۔ ''مائی تو میرے ساتھ اندر چل۔ میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا، تمہیں بھوک لگی ہوگی۔''

''میں کبھی بھوکی نہیں رہتی''، لل نے کہا، ''اب بھوک لگتی ہے تو میں بھوک کو ہی کھا لیتی ہوں۔ پیاس لگتی ہے تو پیاس ہی پی لیتی ہوں۔ سردی کے کمبل کو اوڑھا ہوا ہے میں نے، اسی لئے ٹھنڈ ہی نہیں لگتی۔''

مجاور کے منہ سے بے اختیار نکلا، ''تم میں اللہ کا نور ہے۔''

''ہوگا لیکن اس میں میری کیا بڑائی ہے؟ وہ نور ابھی تک میرے ہاتھ میں نہیں آیا۔ اسی کے پیچھے تو لگی ہوں۔ اس کے لئے چاہے مجھے ہر مُکھ کے سب سے اُونچے کنگورے تک ہی کیوں نہ پہنچنا پڑے۔ میرے اندر جو آگ لگی ہے وہ پیار کی آگ ہے۔ میں اس آگ میں جل چکی ہوں۔ میرا یہ حقیر اور ناپاک جسم راکھ ہو چکا ہے۔ اس راکھ میں دبی ہوئی آگ ہی میرا وجود ہے۔'' یہ کہتے کہتے لل مقبرے کی دیوار کا سہارا لے کر اٹھی۔ پھر ہر مُکھ کی طرف چل دی۔ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا، لیکن وہ چلتی رہی۔

بے حس و حرکت مجاور وہیں کھڑا تھا۔ اس نے عشق کی جس آگ کے بارے میں سنا تھا اس کا زندہ ثبوت اس کے سامنے تھا۔

برف پگھل چکی ہے۔
دھوپ نے نمی سکھا دی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

اس وقت رات ہے۔

آسمان پر پورا چاند شباب کے نشے میں اپنے آپ پر فریفتہ تھا۔ لل نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ پورا چاند تو اس کے اندرون کے تمام راز جانتا ہے۔ اس کے سامنے وہ کئی بار بے لباس ہو چکی ہے۔ جب اس کا محبوب اس کے ہمراہ ہوتا تب اُس سے کچھ بھی کیسے پوشیدہ رکھا جا سکتا تھا۔

اس رات کا لمحہ اسے یاد ہے۔

ایسی ہی پورے چاند کی رات تھی۔ ساری کائنات دم بخود چاندنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی، دل کی دھڑکنیں تیز رفتار انگ انگ میں بے قراری تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بغل میں محوِ خواب محبوب کی طرف اس نے دیکھا۔ آہستگی سے اپنے ہونٹوں کو اس کے ہونٹوں کے قریب لے گئی۔ دونوں کی سانسیں شعلہ بار تھیں۔ اضطرار سے کانپتی آواز میں اس نے کہا، ''میں لل ہوں میں لل ہوں میرے محبوب۔ مجھے اپنے بازوؤں میں لے لو'' وہ جاگا۔ لیکن اس نے اپنی آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس نے لل کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ پاکیزہ ہو گئی۔

تب بھی یہی چاند تھا۔ اِسی طرح دیکھ رہا تھا۔ اس کا شباب تب بھی ایسا ہی بھرپُور تھا۔ لیکن لل کا جسم آج بھرپُور نہیں۔ بڑھاپے سے نڈھال خستہ حال لیکن اس کے باوجود وصل کے اُن سدا بہار لمحات کی یاد نے اسے تر بتر کر دیا ہے۔ محبوب سے واصل ہونے کی آرزو اور بھی بڑھ گئی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ کہیں اور پہنچ گئی۔

صبح آنکھ کھلی۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے جسم کی طرف دیکھا اس کا بھی کوئی آر پار نہیں، اس نے سوچا۔ پھر اسے خیال آیا کیا یہ جسم ایک کشتی کے مانند نہیں؟ یہی تو پار کے کنارے سے اس طرف کنارے پر لایا تھا۔ اور اب پھر اس پار.....اس کنارے لے جا رہا ہے۔ اب زیادہ دور نہیں ہے کنارہ۔ بس پہنچی ہی سمجھو۔ وہاں پہنچ کر اس کشتی کو چھوڑ دوں گی۔ نہیں تو جس مقام پر کشتی مجھے چھوڑے گی وہی کنارہ بن جائے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

وہ اٹھی اور اوپر کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چل دی۔ تھوڑا آگے بڑھ کر رُک گئی۔ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ ٹانگوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اور پھر بیٹھے بیٹھے ہی آگے کھسکنے لگی۔ اس طور وہ پہلے کبھی نہیں چلی تھی۔ گھسٹتے گھسٹتے وہ چڑھائی کا ایک موڑ پار کر گئی۔

پھر وہ کتنے ہی موڑ پار کر گئی۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دکن کی طرف سے بادل برستے آ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے وہ گھنے ہو گئے۔ پھر چاروں طرف کالے بادل ہی دکھائی دینے لگے۔ سفید مرغابیوں کی ڈاریں اڑتی دکھائی دیں۔ اجلے سفید پرندے اور کالے سیاہ بادل۔ سحر زدہ ہو کر وہ دیکھ رہی تھی آفاقی نظارا تھا۔ دفعتاً ''اس نے اپنی نظر اُدھر سے ہٹالی، اور بولی،'' تم اب بھی مجھے بھرماؤ مت۔ اب میں تمہارے بہلاوے میں نہیں آؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ پھر جسم کو گھسٹتے ہوئے چل دی۔

خشک اور کمزور جسم چھلنے لگا۔

کولہوں سے خون بہنے لگا۔ لیکن اسے درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جوش میں تھی۔ دو اور موڑ مُڑ کر وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے پر جا پہنچی۔ نیچے دیکھا تو ایک گاؤں نظر آیا۔ یادیں کلبلانے لگیں۔ وہ وقت آنکھوں میں پھر آ گیا جب وہ ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ گاؤں میں گھومتی پھرتی بھاگتی دوڑتی پتہ نہیں کیا تلاش کرتی رہتی تھی جواب تک نہیں ملا۔ پھر اس سے بھی پہلے کی یادیں ابھرنے لگیں۔ وہ ماں کی کوکھ میں حیران پریشان رہتی۔ تنگ پڑتی۔ اس اندھیری کوٹھری میں ہر وقت ہاتھ پاؤں مارتی رہتی وہ اس گپھا سے باہر نکل کھلے میں آنا چاہتی تھی۔ اس وقت اسے اپنا پچھلا جنم یاد تھا۔ لیکن جنم لیتے ہی سب کچھ بھول گیا۔ صرف وہ پُل یاد رہا جو ہر مُکھ سے کونسرناگ تک جاتا تھا۔ پیدا ہونے کے بعد وہ ان بھولی ہوئی یادوں کیلئے بہت روتی تھی۔ آہستہ آہستہ اُن یادوں کی یاد بھی دھندلی پڑنے لگی۔ رونا کم ہونے لگا۔

لل نے آسمان کی طرف دیکھا۔ کالے گھنے بادل بہت قریب آ چکے تھے۔ برسنے ہی والے تھے۔ اس نے فوراً گھسٹنا سرکنا شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں۔ بیٹھے بیٹھے آگے بڑھنا مشکل ہو گیا۔ جیسے جیسے وہ سرکتی جا رہی تھی بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن وہ رکی نہیں۔ اس کے کمزور جسم میں پھرتی آ گئی تھی۔ اس نے کئی دشوار گذار موڑوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

آخر کار ایک بڑا موڑ مُڑ کر اس نے دیکھا وہ سب سے اونچے کنگورے کے سامنے تھی۔ لیکن اب

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

بارش اتنی تیز اور دھار دار تھی کہ کنگورے تک پہنچنا ناممکن تھا۔ وہ آگے بڑھی لیکن ڈھلان کی پھسلن اور پانی کی تیز روانی میں بہہ کر پیچھے آ گئی۔ وہ پھر زور لگا کر گھسٹتے گھسٹتے آگے بڑھی۔ لیکن ہاتھ کی پکڑ میں آنے والی کوئی شے وہاں نہیں تھی۔ اس لئے وہ پھر بہہ کر پیچھے آ گئی۔ پھر بھی اس نے ہار نہیں مانی۔ آخر کار وہ کنگورے کے ساتھ لگے ایک پتھر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئی ہانپتے کانپتے اس نے اُس کے ساتھ ٹیک لگائی۔

اچانک اُس نے چوٹی کے آگے آسمان میں معلق وہ پل دیکھا۔ اس کے نیچے پانی ہی پانی ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر وہ پُل پانی میں ڈوب گیا۔

وہ مسکرائی۔

آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اب صرف ایک شونیہ تھا..... خلاء..... لامقام۔ کوئی لرزش نہیں، جنبش نہیں، دھڑکن نہیں۔

بہت دیر بعد اسے کانوں میں دھیمی سی آواز سنائی دی، ''میں شِو ہوں لل، میں شِو ہوں۔ آنکھیں کھول۔ دیکھ میں شِو ہوں۔''

لل نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بولی، ''میں اب تیرے بہلاوے میں نہیں آؤں گی۔ بہت ہو گیا۔ اب میں ان بندھنوں میں نہیں بندھوں گی۔''

''بھول گئی میں نے تمہیں کتنا پیار دیا، تیرا کتنا پیار لیا۔''

کمزور آواز میں لل دھیمے سے بولی، ''تم مجھے چاہتے ہو تو میری بات مانو۔''

''بولو تجھے کیا چاہیئے؟''

لل چپ ہو گئی۔

''بولتی کیوں نہیں؟''

بڑی مشکل سے لل نے کہا، ''مانو گے بات؟''

'ہاں۔''

''مجھے وہاں لے چلو جہاں تم بھی نہیں۔ میں بھی نہیں۔''

اسی وقت زور سے بجلی کڑکی۔

ہرمکھ کے کنگورے کا دل دہل اٹھا۔ خوف سے اس نے آنکھیں بند کر لیں اگلے ہی لمحے اس نے آنکھیں کھولیں تو لل وہاں نہیں تھی۔ اسے دور بجلی کا ایک کوندا جاتا ہوا دکھائی دیا۔

☆☆☆

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

Printed at Tarang Printers, F-40 Site "C" Surajpur Industrial Area
Greater Noida, U.P.
CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri

کشمیری زبان کی عظیم شاعرہ لَل دَید نے اپنی تمام زندگی اور تمام فکر و تخلیق کو مکمل طور پر اپنے معبود شِو کو نذر کر دیا۔ ظلم و اذیت کو برداشت کرتے ہوئے گھر گرہستی سے کنارہ کر کے اُس نے خود کو شِو کی بھگتی میں ڈبو دیا۔

یہ ناول پڑھتے ہوئے آپ محسوس کریں گے کہ لَل دَید ایک جھیل ہے جس پر خارجی اور داخلی دنیا کئی طرح کے عکس بناتی ہے۔ خارجی دنیا کو اِن عکسوں میں سے چھان کر دیکھنا اور اُس کے بکھراؤ اور اُلجھاؤ کو اپنی شاعری اور فعالیت میں سمو نا لل دَید کا انتہا تک پہنچا ہوا سلسلۂ عمل ہے جو ناول میں پوری شِدت سے نمایاں ہے۔

ناول نگار ویدراہی کا جنم 22 مئی 1933ء میں جموں میں ہوا۔ اُن کے والد مُلک راج صراف نے جموں کشمیر کے سب سے پہلے اخبار ''رنبیر'' کا اجراء 1924ء میں کیا تھا۔ دس بارہ برس کی عمر میں ہی ویدراہی نے اُردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ بعد میں ڈوگری اور ہندی میں بھی لکھنے لگے۔ اُردو میں افسانوی مجموعہ ''کب لوٹیں گے لوگ'' اور ناول ''اندھی سرنگ'' شائع ہو چکا ہے۔ ایک ناٹک ''رات اور طوفان'' بھی چھپ چکا ہے۔

ڈوگری میں ویدراہی کے تین افسانوی مجموعے ''کالے ہتھ''، ''آلے''، ''کراس فائرنگ''، پانچ ناول 'ہاڑ بیڑی تے پتن'، ''دریڑھ''، ''ہڑ ٹی دی ڈوز''، ''گربھ جون'' اور ''لل دَید'' چھپ چکے ہیں۔ ہندی میں تین افسانوی مجموعے اور دو ناول چھپ چکے ہیں۔

ویدراہی نے 25 ہندی فلموں کی کہانیاں، منظر نامے اور مکالمے لکھے ہیں۔ جن میں سے کچھ کے عنوان ہیں۔ ''یہ رات پھر نہ آئے گی''، ''پوتر پاپی''، ''بے ایمان''، ''پہچان''، ''سنیاسی''، ''دھن''، ''پریم پربت''، ''کالی گھٹا''، وغیرہ۔ ویدراہی نے ٹی۔ وی کے لئے بہت سے سیریل بھی لکھے اور ڈائریکٹ کئے جن میں سے ''گل گلشن گلفام''، ''کتھا ساگر''، ''زندگی''، ''رشتے'' وغیرہ کو قبول عام کی سند ملی۔ اُن کے لئے اُنہیں کئی انعامات سے نوازا گیا۔

1983ء میں ویدراہی کو اُن کے ڈوگری افسانوی مجموعہ ''آلے'' کیلئے ساہتہ اکادمی کے باوقار انعام سے نوازا گیا۔

''لل دَید'' اُن کا تازہ ترین ناول ہے۔ جسے اُنہوں نے ڈوگری ہندی اور اُردو میں لکھا ہے۔

ISBN 978-81-237-5818-3

قیمت: 60.00

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

एक कुटुंब सकलम्

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri